گلبرگہ سے حیدرآباد تک

از قلم

ادیب شہیر حضرت

مولانا الحاج محمد ادریس رضوی

ایم، اے

Mohammed,Idris Razvi

(M,A.)

Jama Masjid Patri Pool, P. O. Kantemanowali

Kalyan (E), Maharashta

Mobile: 9869781566

Email: idris367@gmail.com

شائع کردہ

امام احمد رضا فاؤنڈیشن

کلیان

☆نام کتاب..............گلبرگہ سے حیدرآباد تک

☆مصنف..........محمد ادریس رضوی ایم، اے

☆صفحات..........۸۰

☆حسبِ فرمائش..........جناب سید یاسین علی قادری، ھوم بابا، پتری پل، کلیان، مہاراشٹر
مولانا محمد جمال الدین قادری، نائب امام سنی جامع مسجد، پتری پل، کلیان

☆ناشر..........امام احمد رضا فاؤنڈیشن، نزد سنی جامع مسجد، پتری پُل، کلیان ۴۲۱۳۰۶

☆سالِ اشاعت..........۲۰۱۲ء

☆تعداد..........گیارہ سو (۱۰۰۰)

☆قیمت..........۴۰ روپئے

ملنے کے پتے

☆سنّی جامع مسجد، پتری پُل، کلیان ۴۲۱۳۰۶ (مہاراشٹر)

☆مولانا محمد کاشف رضا مصباحی، دارالعلوم رضائے مصطفیٰ، احمد رضا کالونی، رِنگ روڈ گلبرگہ

☆برکاتی بکڈپو، عمران گیسٹ ہاوس، روضۂ خُرد، گلبرگہ شریف (کرناٹک)

☆مولانا مسعود رضا قادری، جامعۃ الرضا، رضا نگر بیل بازار کلیان ۴۲۱۳۰۱ (مہاراشٹر)

☆قادری بک ڈپو، نزد مدینہ مسجد، کیلاش نگر، امبرناتھ ویسٹ، ضلع تھانے

☆محمد توصیف رضا و حافظ و قاری محمد قمر رضا، رضا منزل، موضع مدلمن، پوسٹ کروا، ضلع دربھنگہ

ناشر

☆**امام احمد رضا فائونڈیشن**، نزد سنی جامع مسجد، پتری پُل، کلیان ۴۲۱۳۰۶

صفحہ

مصنف کی تصانیف

☆ماہتابِ رسالت کی جلوہ ریزیاں.....اردو ۱۹۹۰ء......انگلش ۲۰۱۰ء

☆نغماتِ بخشش (تضمینی مجموعہ)..................۲۰۰۲ء

☆وسیلۂ بخشش (حمد و مناجات کا مجموعہ)..................۲۰۰۵ء

☆سیلِ بخشش (تضمینی مجموعہ)..................مطبوعہ ۲۰۰۸ء

☆کنزالایمان اور امام احمد رضا کوئز..................مطبوعہ ۲۰۰۹ء

☆کلامِ راہی اور صنائع و بدائع..................مطبوعہ ۲۰۰۹ء

☆کنزالایمان اپنے مفسرین کی نظر میں..................مطبوعہ ۲۰۱۰ء

☆تجلیاتِ قلم..................مطبوعہ ۲۰۱۱ء

(۹) گلستانِ رضا..................غیر مطبوعہ

(۱۰) دیوانِ رضوی..................غیر مطبوعہ

(۱۱) کربلا کوئز..................غیر مطبوعہ

مفکرِ ملّت، مفتی حسن منظر قدیری صاحب قبلہ

تعارف

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

''گل برگہ سے حیدرآباد تک'' کا مسودہ میرے پیشِ نظر ہے، فرصت میسر نہیں، اس لئے اسے بالاستیعاب نہ پڑھ سکا، جستہ جستہ پڑھا تو محسوس ہوا کہ یہ بڑا ہی قیمتی سرمایۂ لوح وقلم ہے، لفظ ''گل برگہ'' پر نظر پڑی تو میں سوچنے لگا کہ کیا ہی حسین ولطیف ترکیب ہے یعنے ''برگ گل'' پھول کی پنکھڑی جس کے تلفظ ہی سے گلستانِ ذہن وفکر میں تازگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور دل سرور انبساط سے جھوم اُٹھتا ہے۔

یہ تالیف، مخلص گرامی قدر علامہ ومولینا محمد ادریس رَضوی ایم۔اے کی ہے جو ایک کہنہ مشق، ممتاز ادیب وانشاء پرداز ہیں اور تحقیق وتنقید سے بھی خاصا شغف رکھتے ہیں اور اپنے لیل ونہار کے حصار میں بہت لکھتے اور خوب لکھتے ہیں، استشہاد کے لئے ''دودن شیخ الاسلام کے شہر میں'' ملاحظہ کیجئے، یہ خاکسار بھی شریکِ سفر تھا جس کی نگاہوں میں صرف ٹرین کی مسلسل حرکت اور گذرتے مناظر تھے مگر موصوف کا دماغ حاضر اور خاموش پردۂ ذہن پر اُبھرنے والی تصویریں گویا بول رہی ہوں اور قلم انہیں لباسِ الفاظ پہنا رہا ہو ''لمحہ لمحہ کے یہ نقوش'' تحریر کی شکل میں سطحِ قرطاس پر ثبت ہو رہے ہوں، اس تالیف میں علم وآگہی کے کئی خوبصورت عناوین ہیں اور ہر عنوان ایک بولتی تصویر ہے، عنوان کے تحت موصوف کے علمی جواہر پارے کی درخشندگی ہے اور زبان وادب کی شگفتگی بھی۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز قدس سرہٗ جو گل برگہ کی دھرتی پر لالۂ صحرا کی طرح ہیں، جن کا مقدس وجود، اس سرزمین کے روحانی ماحول کو رنگ ونور آشنا کر رہا ہے، واقعات کی روشنی میں یہ منظر بھی کم حیرت انگیز نہیں کہ ان کی فروتنی اس درجہ تک پہونچی کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ کے فیضانِ نظر کی برکت نے انہیں چند لمحوں میں معرفت کی اس بلندی تک پہونچا دیا جس حصول کے لئے صدیاں درکار ہیں

حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اور شیخ الاسلام انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ دونوں معاصر، حق کے داعی اور فکر ونظر کے لحاظ سے بھی ہم آہنگ تھے، صرف شمال وجنوب کی دوری درمیان میں حائل تھی، ورنہ دونوں مجاہد تھے، سیفِ زبان وقلم رکھتے تھے، بدعقیدگی وگمراہی کے خلاف، حیات کی آخری سانس تک جہاد کرتے رہے اور طائفہ باطلہ پر ایسی ضرب لگائی ہے کہ خیمۂ باطل آج تک بے بسی وبیچارگی کی تصویر بنا

ہوا ہے۔

غرض کہ اس تالیف کا ہر عنوان بجائے خود ایک گلدستۂ تحریر ہے، جسے موصوف کے دستِ قلم نے بڑی عمدگی وسلیقہ سے سجایا ہے، قارئین کے لئے عطرِ گل بھی اور ذخیرۂ معلومات بھی، مصروفیت میں گھرا ہوا یہ خاکسار، خزانۂ وقت کے کچھ لمحے نکال کر یہ چند سطور قلم بند کر سکا، آخر تعمیل ارشاد کے لئے تو کچھ کرنا ہی تھا

منظر قدیری۔ بی، اے
برکاتی دارالافتاء، کلیان، ممبئی

۲ر مارچ ۲۰۱۱ء

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز
صوفیائے کرام کی نظر

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز سیّد محمد حسینی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت رجب ۷۲۱ھ اور وفات ۱۶/ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں ہوئی، اسطرح آپنے ایک سو چار سال اُنیس دن کی عمر پائی (جوامع الکلم) آپ نے اپنی زندگی میں نہ جانے کتنے بندوں اور بندیوں کو سنوارا، نکھارا، شریعت کا پابند بنایا، تصوف کی منزلیں طے کرائیں، اللہ تعالیٰ کے قرب میں پہنچایا، رسول اللہ ﷺ کا عاشق بنایا، جس کام کے لئے متعین تھے وہی کام کیا، اسی (۸۰) سال کی عمر ۸۰۱ھ میں گلبرگہ (دکن) کو مسکونہ بنایا، دکن میں رشد وہدایت کا چراغ روشن فرمایا، فیض کا دریا جاری کیا جو ہنوز جاری اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا، آپ کی ذات سے گلبرگہ عالمی نقشہ پر مشہور ہوا اور ہے، حضرت بندہ نواز گیسودراز سید محمد حسینی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے تئیں صوفیاءِ کرام کے خیال واحترام کو ملاحظہ فرمایئے کہ آپ کس مقام ومرتبہ پر فائز تھے۔

خواجہ بندہ نواز گیسودراز: شیخ عبدالرّحمٰن چشتی کی نظر

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز علیہ الرّحمہ کو حضرت شیخ عبدالرّحمٰن چشتی مندرجہ ذیل القابات سے یاد فرمایا ہے:۔

''آں معدنِ عشق وہمدمِ وصال.......آں کلید خازنِ حضرتِ ذوالجلال........آں مست الست نغماتِ بے ساز محبوبِ حق......حضرت سیّد محمّد گیسودراز قدس سرہٗ، بن سیّد یوسف الحسینی دہلوی........آپ حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہٗ کے بزرگ ترین خلفاء میں سے تھے، سیّد ہونے کے علاوہ آپ علم اور ولایت میں بھی ممتاز تھے، آپ شانِ رفیع........مشرب وسیع ......احوالِ قوی...... .. ہمّت بلند اور کلماتِ عالی کے مالک تھے، مشائخ چشت کے درمیان آپ ایک خاص مشرب رکھتے ہیں، اسرارِ حقیقت میں آپ کا طریق مخصوص ہے، غلبۂ شوق وعشق کی وجہ سے آپ اکثر بے پردہ کلام فرماتے ہیں (۱)

''غلبۂ شوق وعشق کی وجہ سے آپ اکثر بے پردہ کلام فرماتے ہیں'' اس کا ایک نمونہ آپ کے منظوم کلام

میں دیکھنے کو ملتا ہے، وہ کلام آگے ملاحظہ کرنے کو ملے گا۔

حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی علیہ الرّحمہ نے ''مرآۃ الاسرار'' کو ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ کے درمیان تالیف فرمایا، تصنیف کا زمانہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز سیّد محمد حسینی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے آج کی بنسبت قریب کا زمانہ ہے، اس لئے آپ کی تحریر کی وقعت بڑھ جاتی ہے کہ حضرت بندہ نواز اوائل نویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں اور ''مرآۃ الاسرار'' ایک صدی کے بعد ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ تالیف ہوئی۔

خواجہ بندہ نواز گیسودراز: شیخ اشرف جہانگیر سمنانی کی نظر میں

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز سیّد محمد حسینی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت سیّد جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ دکن کی طرف جب پہلی مرتبہ گیا تو بندہ نواز سیّد محمد گیسودراز کی زیارت ہوئی، میں نے ان کو بڑا عالیشان بزرگ پایا، آپ نے بہت کتابیں لکھی ہیں، آپ نے اپنی آخری تصنیف میں صاحب فصوص الحکم (شیخ ابن عربی) کے وحدتِ وجودِ مطلق کی طرف اشارہ کیا ہے، اس فقیر نے اس کی بہت تاویل کی اور قسم قسم کے دلائل عقلی ونقلی پیش کئے، لیکن آپ کو اس کتاب کی ترمیم کے لئے آمادہ نہ کرسکا، جب دوسری مرتبہ دَکن جانے کا اتفاق ہوا تو آپ کا وصال ہوچکا تھا (۲)

حضرت سیّد اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز قدس سرہٗ کے ہم عصر بزرگ ہیں اور دونوں بزرگوں کی آپس میں ملاقات بھی ہوچکی ہے، جس کا حال آپ نے اوپر ملاحظہ فرمالیا ہے۔

آپ کی عالی شانیت آپ کے اشعار سے بھی ظاہر ہے فرماتے ہیں۔

گر خمِ خمار کشاید دہن ☆ جملہ جہاں مست شود ہمچو من

ترجمہ! اگر خمار یعنی شراب خانے کا مالک اپنے خم کا منھ کھول دے تو سارا جہاں میری طرح مست ہوجائے۔

گر بتِ من برقع زرخ برکشید ☆ ہر طرف گردو شور وفتن

ترجمہ! اگر میرا محبوب چہرے سے نقاب اُٹھادے تو ہر طرف شور اور فتنہ برپا ہوجائے۔

جرعہ چوں جرعہ بادہ بکس ☆ سنگ بکف آر وسرِ خم بشکن

ترجمہ! ایک ایک گھونٹ شراب مت پی، پتھر اٹھا کر خم توڑ دے۔

بادہ رَود ہر طرف نہجو جوے ☆ باش در آنجا کشادہ دہن

ترجمہ! تاکہ شراب ہر طرف نہر کی طرح بہہ جائے اور بس تو اپنا منہ کھول لے۔

خانہ چو خانۂ خمار نیست ☆ نغمہ در و رقص در و دف بزن

ترجمہ! میرا گھر شراب خانہ کی طرح ہے، پس تم اس کے اندر خوب گاؤ، رقص کرو اور دف بجاؤ۔

بوئے کجا یابم در گلستان ☆ سرو کجا جویم اندر چمن

ترجمہ! تیری خوشبو باغ میں کہاں پاؤں اور سرو قد کو چمن میں کہاں حاصل کروں۔

گوہر اگر خواہی در بحر جوی ☆ چوب کجا باشد اندر یمن

ترجمہ! اگر تو گوہر کی تلاش میں ہے تو سمندر میں ڈھونڈ، لکڑی یمن سے کہاں ملتی ہے۔

یار کجا یابم در دہر نیست ☆ راز کرا گویم تنہا چو من

ترجمہ! یار کو کہاں پاؤں، دنیا میں کہیں نہیں ملتا، دل کا راز کس سے کہوں، کوئی محرم راز نہیں۔

پیش ابوالفتح محمد بگو ☆ بس کند از شور زیادہ سخن

ترجمہ! ابوالفتح محمد سے کہو کہ زیادہ شور نہ کرے اور خاموش ہو جائے، یعنی اپنے آپ کو کہہ رہے ہیں کہ بس اب چپ رہ۔ (۳)

آپ کے اشعار آپ کی منزل کے پتے دیتے ہیں کہ تصوف و طریقت میں بندہ نواز گیسودراز بہت ہی اعلیٰ منزل و منصب پر فائز تھے، معرفت کا جام پی کر حقیقت کا حال بتاتے تھے کہ حقیقت سے باخبر تھے اور جو حقیقت سے باخبر ہوتا ہے وہ مست ہوتا ہے اور اسی مستی میں وہ کھلے طور پر بات کرتا ہے۔

خواجہ بندہ نواز گیسودراز: مولانا جمال الدین مغربی کی نظر میں

علم تصوف وہ علم ہے کہ اچھے اچھوں کے پلے نہیں پڑتا ہے، علمائے ظاہری بھی اس سمندر میں اترنے سے گھبراتے ہیں، علم تصوّ باطنی علم ہے، عمل سے اس کے باب وا ہوتے ہیں، رحمت خداوندی جس کو جتنا چاہے مشاہدہ کرا دے، اسی مشاہدے کی بنیاد پر صوفیائے کرام کی اشارتاً یا کنایتاً گفتگو ہوتی اور تحریر وجود میں آتی ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز سیّد محمد حسینی چشتی رحمۃ اللہ علیہ علم تصوف میں کیا مقام رکھتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتابیں پڑھنے والے قارئیں حیرت

میں پڑ جاتے ہیں کہ وہ جو کچھ فرما رہے ہیں کیا انسان ان چیزوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے؟ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب ''فصوص الحکم'' پر مولانا جمال الدین مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لطیف شرح لکھی تھی، آگے کا حال حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی رحمۃ اللہ کی تحریر میں اس طرح ہے:۔

''ایک سال میں (ابوالفتح محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز) بھی ان کا ہم خیال تھا، جو کچھ احادیث وکلام اللہ میں موافق حال ہوتا مَیں بیان کرتا تھا، ایک دن میں فصوص (فصوص یعنی فصوص الحکم، مصنف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی) کے ایک مسئلہ کی مخالفت میں ایک لطیف سا اشارہ کیا.........اس سے مولانا (جمال الدین مغربی) چونک اٹھے اور فرمانے لگے سیّد من، میں آپ کا معتقد ہوں، اس قسم کی باتیں آپ کیوں کرتے ہیں؟ چنانچہ میں منقول اور معقول کے ذریعہ (یعنی علوم شریعت اور منطق ومعقول کے ذریعہ) اپنی بات ثابت کرنے لگا، حتیٰ کہ اختلاف کی بالکل گنجائش نہ رہی، تقریباً چھ ماہ اسی موضوع پر گفتگو جاری رہی اور ہر روز فصوص کے مسائل پر بحث ہوتی رہی، میں (بندہ نواز گیسودراز) فصوص کی مخالف میں بولتا رہا اور اپنی بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچاتا رہا، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ میر سید محمد!.......صلّی علیٰ محمد (یعنی درود ہو حضرت محمد ﷺ پر) کیوں کہ عربوں کی عادت ہے کہ جب کوئی شخص بحث کرتا ہے تو کہتے ہیں......صلّی علیٰ محمد یعنی بحث چھوڑ دو اور محمد (ﷺ) پر درود بھیجو ایک دن بحث بہت بڑھ گئی، انہوں نے کہا، میر سیّد محمد! تھوڑی دیر رک جائیں، یہ کہہ کر وہ مراقبے میں چلے گئے، وہ اسی (۸۰) سال کے بزرگ تھے اور میری عمر بیس سال سے چند سال زائد تھی، مراقبہ کے بعد انہوں نے کہنا شروع کیا میر سید درویشوں کے درویش ہیں (یعنی درویشوں کے سردار ہیں) جس نے مجھے مسلمان کر دیا، انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگا کر سر نیچے کیا اور فرمایا جو شخص آپ سے سلوک طے کرتا ہے، بحر مخصوص بن جاتا ہے، میں اچھا بولنے والا تھا، حق تعالیٰ نے مجھے دولتِ بیان عطا کی تھی، میں نے جس قدر کوشش کی میری نظر قوتِ گویائی سے ہٹ جائے، یہ بات ہرگز حاصل نہ ہوئی اور میری نظر اپنی قوتِ گویائی پر رہی (یعنی اپنی قوتِ گویائی پر ناز کرتا رہا) اور اسی وجہ سے میں بہت غمگین تھا کہ کیوں میری نظر میری قوتِ گویائی سے نہیں ہٹتی......اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جمال الدین مغربی جب بندہ نواز سید محمد گیسودراز کے استدلال سے قائل ہو گئے تو ندامت کی حالت میں اپنی قوتِ گویائی کی ان الفاظ میں مذمت کرتے رہے''۔ (۴)

مذکورہ واقعہ سے حضرت بندہ نواز گیسودراز قدس سرہٗ کے مرتبے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک اسی (۸۰) سالہ بزرگ ایک بیس بائیس سالہ نوجوان کی عظمت، رفعت، بلندی، مرتبہ، مقام کالوہا مانا ہے وہ

بھی یونہی نہیں بلکہ مراقبہ میں جا کر، جہاں قال حال بنتا، حال کا مشاہدہ ہوتا، شک یقین میں بدلتا ہے حقیقت حال کا پتا لگتا ہے۔

خواجہ بندہ نواز گیسودراز: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی نظر میں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی سے کسی عرض کیا کہ ''اکثر بال بڑھانے والے لوگ حضرت گیسودراز کو دلیل لاتے ہیں؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے کئی حدیث پاک کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ........ ''حضرت سیّدی محمد گیسودراز قدس سرہٗ نے تشبہ نہ کیا تھا ایک گیسو محفوظ رکھا تھا اور اس کے لئے ایک وجہ خاص تھی کہ اکابر علما واجلہ سادات سے تھے جوانی کی عمر تھی، سادات کی طرح شانوں تک دو گیسو رکھتے تھے کہ اسقدر شرعاً جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے، ایک بار سرِ راہ بیٹھے تھے، حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سواری نکلی، انہوں نے اٹھ کر زانوئے مبارک پر بوسہ دیا، حضرت خواجہ نے فرمایا سید فرو ترک، سید اور نیچے بوسہ دو، انہوں نے پائے مبارک پر بوسہ لیا، فرمایا سید فروترک، انہوں نے گھوڑے کے سم پر بوسہ دیا، ایک گیسو کہ رکاب مبارک میں الجھ گیا تھا، وہیں الجھا رہا اور رکاب سے سم تک بڑھ گیا، حضرت نے فرمایا سید فروترک، انہوں نے ہٹ کر زمین پر بوسہ دیا، گیسو رکاب مبارک سے جدا کر کے حضرت تشریف لے گئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایسے جلیل سید اتنے بڑے عالم نے زانو پر بوسہ دیا اور حضرت راضی نہ ہوئے اور نیچے بوسہ دینے کو حکم فرمایا، انہوں نے پائے مبارک کو بوسہ دیا اور نیچے حکم فرمایا گھوڑے کے سم پر بوسہ دیا اور نیچے حکم فرمایا یہاں تک کے زمین پر بوسہ دیا یہ اعتراض حضرت سید گیسودراز نے سنا فرمایا لوگ نہیں جانتے کہ میرے شیخ نے ان چار بوسوں میں کیا عطا فرمایا جب میں نے زانوئے مبارک پر بوسہ دیا عالم ناسوت منکشف ہوگیا، جب پائے اقدس پر بوسہ دیا عالم ملکوت منکشف ہوا، جب گھوڑے کہ سم پر بوسہ دیا عالم جبروت منکشف تھا، جب زمین پر بوسہ دیا لاہوت کا انکشاف ہوگیا، اس ایک گیسو کو کہ ایسی جلیل نعمت کا یادگار تھا اور اسے ایسی تجلی رحمت نے بڑھایا تھا نہ ترشوایا اسے تشبہ سے کیا علاقہ، عورتوں کا ایک گیسو بڑا نہیں ہوتا، نہ اتنا دراز، اور اس کے محفوظ رکھنے میں یہ راز، اس کی سند ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ہے جب حضور اقدس ﷺ نے طائف شریف فتح فرمایا اذان ہوئی بچوں نے اس کی نقل کی ان میں ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے ان کی آواز بہت اچھی تھی حضور نے آپ کو بلایا اور سر پر دست مبارک رکھا اور ان کو مؤذن مقرر فرمادیا، ان کی ماں نے برکت کے

لئے پیشانی کے ان بالوں کو جن پر دست اقدس رکھا تھا محفوظ رکھا جس وقت بال کھولے جاتے تو زمین پر آجاتے تھے، اسے بھی تشبہ سے کچھ علاقہ نہیں، عورتیں فقط پیشانی کے بال نہیں بڑھاتیں، اور ان کا محفوظ رکھنا اس برکت کے لئے تھا (۵)

اعلیٰ حضرت کی تحقیق اور محققوں سے الگ ہے، نفیس وعمدہ ہے، بازار تصوف کا انمول ہیرا ہے، علم عطائی کا جیتا جاگتا نمونہ ہے، حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان کا آفتاب نصف النہار پر تھا، بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ ماہتاب بن کر اپنے پیرومرشد کے زانوئے پاک کو بوسہ دے کر، پائے مبارک کو بوسہ دے کر، گھوڑے کے سم کو بوسہ دے کر، زمین کو بوسہ دے کر وہ چیزیں کشید کیں جو تصوف وصوفیت کی اعلیٰ چیزیں، اعلیٰ تحقیق اور اعلیٰ مقام کی باتیں ہیں، چار بوسوں میں چار مقامات کی سیر و تحقیق اور ان کے احوال سے واقف ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس تحقیق کے ساتھ گیسو کے ایک بال کی تحقیق بھی خوب ہے، ورنہ اکثر محققین نے یہی لکھا ہے کہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے بال بڑے بڑے تھے، اس پر معترض اعتراض اٹھاتے ہیں کہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ ایسے لمبے لمبے بال رکھتے تھے تو اس کی سند کیا ہے؟ اعلیٰ حضرت نے اپنی تحقیق سے ثابت فرمادیا ہے کہ سارے بال لمبے نہیں تھے بلکہ صرف ایک گیسو تھے جو تشبہ سے بری تھے، چونکہ عورتوں کی طرح لمبے بال رکھنا مردوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

خواجہ بندہ نواز گیسودراز: حضرت سید شاہ محمد عبدالحئیؒ کی نظر میں

اولیاءِ کرام کا فیضان ان کے بعد وصال بھی زندہ رہتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت سید شاہ محمد عبدالحئیؒ متولد ۱۲۷۶ھ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ ہیں آپ نے بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمہ کے آستانے پر کئی مرتبہ حاضری دی ہیں، ایک سفر کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ۔ ''گلبرگہ مزار مبارک پر زیارت کے لئے ہم حاضر ہوئے، تو حضرت مخدوم صاحب نے (بعالمِ ارواح) اس حد تک تواضع اور فروتنی کو راہ دی جس کا بیان نہیں ہوسکتا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم سید محمد بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ میں کمال درجہ انکساری، وخاکساری وفروتنی تھی'' ۔(۶)

مذکورہ بالا واقعہ سے بھی حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمہ کی انفرادیت ظاہر ہوتی ہے، عالم برزخ سے آپ نے سید شاہ مولانا محمد عبدالحئیؒ کی کیا تواضع فرمائی، کس طرح کی فروتنی کو راہ دی یہ تو فخر العار

فین سید شاہ مولانا محمد عبدالحیٔ علیہ الرحمہ ہی جانتے ہیں۔

٪٪

ماخذومراجع

(۱) مرآۃ الاسرار ص ۹۷۵ ر مصنف حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی

(۲) مرآۃ الاسرار ص ۹۸۲ ر مصنف حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی

(۳) مرآۃ الاسرار ص ۹۸۴ ـ ۹۸۵ ر مصنف حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی

(۴) مرآۃ الاسرار ص ۹۸۱ ـ ۹۸۲ ر مصنف حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی

(۵) الملفوظ، ص ۹۵ ـ ۹۶ حصہ دوم، ازقلم مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا نوری، ناشر رضا اکیڈمی ممبئی

(۶) سیرتِ فخر العارفین ص ۸۷ ر حصّہ اوّل، مرتب حکیم سید سکندر شاہ صاحب، ناشر کتب خانہ رحیمیہ، جامع مسجد دہلی

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سیّد محمد حسینی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں راقم محمد ادریس رضوی نے دو منقبت کہنے کا شرف کیا ہے، ایک اسی زمین سے شائع ہونے والا اخبار، کے، بی، این ٹائمز میں شائع ہوچکی ہے، دونوں منقبت قارئین کے پیشِ نظر ہیں۔

﴿۱﴾

سُن کے آتے ہیں جہاں میں نام اے گیسو دراز　　در پہ تیرے بندہ خاص و عام اے گیسو دراز

ربّ سے تم کو ہے ملا انعام اے گیسو راز　　عشق کا اونچا وہ پیارا بام اے گیسو دراز

جانِ نعمت، کانِ نعمت، شانِ نعمت، تیری ذات　　ربّ کا تجھ پر ہے یہ سب انعام اے گیسو دراز

ہو کے بندہ ربّ کا اپنے پھر بھی ہو بندہ نواز　　فیض ہے تیرا دَکن پر عام اے گیسو دراز

اک دَکن پر ہی نہیں سارے جہاں پر تیرا فیض　　بانٹنا ہے فیض تیرا کام اے گیسو دراز

فیض سے تیرے ہوئے ہوتے ہیں لاکھوں فیضیاب　　فیض ہے تیرا نرالا عام اے گیسو دراز

کر دیا روشن نصیر الدین نے ایسا چراغ　　نہ بجھا ہے نہ بجھے گا نام اے گیسو دراز

صرف گیسو ہی نہیں ہر ہر ادا تیری دراز　　ازل میں قدرت نے کیا ارقام اے گیسو دراز

تم رہے قائم طریقت پر حقیقت پر مدام　　اور ہوتا تم پہ تھا الہام اے گیسو دراز

بندگی میں زندگی اپنی کیا تم نے تمام　　تا قیامت اب کرو آرام اے گیسو دراز

تیری الفت، تیری حکمت، تیری محنت بے مثال　　بے مثالی تیری صبح و شام اے گیسو دراز

تم پہ نازاں تیرے والد، تیری ماں، تیرے رسول　　تیرے مرشد اور ہے اسلام اے گیسو دراز

آلِ احمد ہو، حُسینی ہو، نصیری ہو مدام　　تیرا اچھا ہوگا ہی انجام اے گیسو دراز

بے خودی ایسی بڑھی کہ ہو گئے بے خود تمام　　ایسا تم نے ہے پلایا جام اے گیسو دراز

واعظوں کو اب بتا دو واقعہ دل کا تمام　　کہ ہوتا خلوت میں ہے دل تام اے گیسو دراز

کب تلک مجھ کو ستائے گی مرے پہلو میں رہ کے　　رات دن یہ گردش ایام اے گیسو دراز

مفتیٔ اعظم جہاں، احمد رضا کا ہوں غلام　　عشق کا مجھ کو پلا دو جام اے گیسو دراز

وجد کرتا جوش میں رہتا بشر لیل و نہار　　ایسا کرتے کچھ ذرا اقدام اے گیسو دراز

اے شریعت کے طریقت کے حسینی بادشاہ　　عشق میں رَضوی ہے کیوں کر خام اے گیسو دراز

در پہ آئے آپ کے پھر سے جو یہ رَضوی حضور　　تو پلا پھر دیجیے اک جام اے گیسو دراز

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مندرجہ ذیل منقبت گلبرگہ شریف کے روزنامہ، کے، بی، این ٹائمز میں شائع ہوچکی ہے (محمد ادریس رَضوی)

﴿۲﴾

ہیں تلے بندہ نوازی پر سدا بندہ نواز　٪　کہہ کے دیکھو تو ذرا تم بھی گدا بندہ نواز

بانٹتے ہیں رات دن صبح و مسا بندہ نواز　٪　عشق و الفت کا محبت کا نشہ بندہ نواز

عاصیو! تم بھی کہو ہم ہیں گدا بندہ نواز　٪　عشق کا بھر دیجیے ہم میں نشہ بندہ نواز

ہر زباں پر شور ہے سب سے جدا بندہ نواز　٪　بندہ تیرا خاص ہے ربّ علا بندہ نواز

جھولیوں میں رکھ دو تم اپنی عطا بندہ نواز ٪ جھولیاں خالی ہماری ہیں شہا بندہ نواز
نہ تبسم نہ ترنم کی ادا بندہ نواز ٪ مانگتا ہوں عشق والفت کی دوا بندہ نواز
ڈال کر اپنی نظر مجھ پر ذرا بندہ نواز ٪ راہِ حق کا مجھ کو پکڑا دو سِرا بندہ نواز
مست ہوتا با خدا کہتا جدا بندہ نواز ٪ پھر لگا کر نعرہ کہتا مے پلا بندہ نواز
مے پلا مجھ کو پلا اپنا بنا بندہ نواز ٪ دے رہا ہوں در پہ تمہارے صدا بندہ نواز
اب چلا، دے کر صدا رَضوی شہا بندہ نواز ٪ گفتگو کو کیجئے میری بقا بند : نواز

٪٪٪ ☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ ٪٪٪

مجدّد اسلام امام احمد رضا قادری
اور شیخ الاسلام انوار اللہ فاروقی کی ہم آہنگی

ہم آہنگی کے تعلق سے قرآن مقدس نے بڑا اچھا درس دیا ہے ''اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر آپس میں پھٹ نہ جاؤ اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بَیر تھا اُس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اُس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا اللہ تم سے یوں ہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ (۱)

اللہ تعالیٰ نے ہم آہنگی سے متعلق مذکورہ آیت میں چار باتوں کا حکم دیا اوّل: ''دین کی باتوں پر متفق رہو'' اسی کا نام اجماع ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دین کی باتوں پر متفق تھے، حضور سرور کائنات ﷺ نے جو کچھ فرمایا ان پر سب کے سب متفق رہے، دل و جان سے قبول کیا، محبت سے سر آنکھوں پر رکھا، عمل کیا لوگوں کو عمل کا پیغام دیا، اللہ تبارک وتعالی کے بعد حضور ﷺ کے مرتبے کو سمجھا اور عام کیا، دین کی باتوں پر متفق رہنے کا مطلب ہے، اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اللہ کی رسی سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اللہ کی رسی سے مراد ہے ''دین اسلام یا قرآن شریف یا مسلمانوں کی جماعت یا اہلبیت اطہار یا نبی کریم ﷺ کے دامن پاک کو تم سارے کے سارے مضبوطی سے تھامے رہو تا کہ دنیا میں راہ حق سے پھسل نہ جاؤ (۲)

دوم: ''الگ الگ گروہ میں نہ بٹو'' اپنے مفاد، اپنی عزت، اپنے وقار، اپنی شان کے لئے فرقہ نہ بناؤ، قرآن پاک نے تنبیہ کر دی کہ خبردار اجتماعیت کو کسی حال میں نہ توڑو، اس سے مراد یہ ہے کہ رسول کائنات جس بات پر تم سب کو جمع کر دیا ہے، جمع رہو، اس سے ہٹنے کی کوشش نہ کرو، نبی پاک ﷺ کو لباس بشریت میں دیکھ کر اپنے جیسا گمان نہ کرو، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جیسی نبی ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرو، ذوالخویصرہ اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے جیسی حرکتیں کر کے جہنم کے غار میں نہ گرو، شیطان

مردود اور نفس ظالم کے وسوسے میں آ کر آپس کی ہم آہنگی کو نہ توڑو، ہم آہنگی آپسی طاقت کی جان، مسلمانوں کی پہچان، اسلام کی شان اور ایمان کی علامت ہے، ہم آہنگی کو توڑنا منافقوں کی خصلت، بے ایمانوں کی عادت، متکبروں کی پہچان، شیطان لعین کی روش ہے۔

ہم آہنگی کیا ہے؟ ہم آہنگی کے راستے پر کون ہے؟ اہلسنّت و جماعت، وہابی، دیوبندی، شیعہ، رافضی، چکڑالوی، قادیانی، بہائی، معتزلہ، قدریہ، جبریہ، شمع نیازی، خاکساری، سب کے سب اپنے کو حق کا دعویٰ کرتے ہیں، ہم آہنگی کی دعوت دیتے ہیں، اس تعلق سے مفسر قرآن علامہ سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں......"جیسے کہ یہود و نصاریٰ متفرق ہوگئے اس آیت میں ان افعال وحرکات کی ممانعت کی گئی جو مسلمانوں کے درمیان تفریق کا سبب ہوں طریقہ مسلمین مذہب اہل سنّت ہے، اس کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرنا دین میں تفریق اور ممنوع ہے (۳)

اہل سنّت و جماعت کے حق ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کے بے ایمان، گمراہ اور منافق فرقے بھی اپنے آپ کو اہلسنّت کہنے لگے ہیں تاکہ اہلسنّت کا نام لے کر اہلسنت و جماعت کے سیدھے سادے مسلمانوں کو گمراہ کرسکیں، اہلسنت و جماعت کے علاوہ تمام فرقوں نے کسی نے اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت میں، کسی نے حضور ﷺ کی شان اقدس میں، کسی نے امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کی عصمت و عظمت میں، کسی نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان فضیلت میں، کسی نے قرآن پاک کی تقدیس میں گستاخی کر کے اور ہم آہنگی کو توڑ کر گمراہ و بے دین ہوئے ہیں۔

سوم: اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو ورنہ پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، کلمہ پڑھ کر تم ایک دوسرے کے بھائی بنے ہو اس بھائی چارگی کو برقرار رکھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، نبی دوعالم ﷺ نے تم کو ایک لڑی میں پیرو دیا ہے، ورنہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اب تم اس ہم آہنگی کو توڑ کر پھر ایک دوسرے کے دشمن نہ بنو، اگر تم نے ایسا کیا تو خیال رکھو کہ تم پہلے کافر تھے، کلمہ پڑھ کر مسلمان بن کر ہم آہنگی کو بحال کیا اب اگر اس ہم آہنگی کو توڑو گے تو منافق ہوجاؤ گے جو کفر سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت بندوں کے لئے احسان عظیم ہے، جیسا کہ قرآن پاک نے بتایا اب غور یہ کرنا ہے کہ یہ احسان عظیم ہمیں کیسے ملا، کن کے توسط سے ملا تو بات بالکل واضح ہے کہ یہ عظیم نعمت مسلمانوں کو اپنے نبی پاک ﷺ کے توسط سے ملا ہے، اس تعلق سے پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں......"حضور

ﷺ سراپا نور و سرور کا ظہور ہوا تو عرب کے اجڑے دیار میں بہار آ گئی، عداوت کی جگہ محبت نے، وحشت کی جگہ اُنس نے، اِنتقام کی جگہ عفو نے، خودغرضی کی جگہ اخلاص و ایثار نے اور غرور و تکبر کی جگہ تواضع وانکساری نے لے لی، یہ وہ انقلاب تھا جس نے عرب کی کایا پلٹ دی، جس کی برکت سے عرب کے صحرانشینوں نے تاریخ عالم کا رُخ موڑ دیا، اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اسی احسان عظیم کی یاد تازہ کرا رہا ہے کہ کس طرح اس نے اپنے محبوب کریم ﷺ کی برکت اور فیضِ نگاہ سے تمھارے ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیئے اور تمہیں بھائی بھائی بنادیا (۴)

چہارم: پہلے تم دوزخ کے کنارے تھے، خاتم الانبیاء نے تم کو وہاں سے ہٹا کر جنت کے قریب کردیا ہے، ایسے محسن نبی ﷺ کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی کر کے اپنا دین اور اپنی آخرت برباد نہ کرنا، سواد اعظم کی پیروی کرنا ان کے نقش قدم کو اپنانا، سواد اعظم کی ہم آہنگی کو نہ توڑنا، نبی دوعالم ﷺ کی گستاخی کرنے والوں کی ڈاڑھی اور ٹوپی کو مت دیکھنا، ان کی علمیت، افضلیت و برتری کو نہ دیکھنا بلکہ ان کی زبان اور قلم سے نکلے ہوئے مکروہ جملہ و الفاظ کو دیکھنا، ان کو دیکھ کر ان پر ترس کھانے کے بجائے ایک بار پیچھے پلٹ کر ذوالخویصرہ اور عبداللہ بن ابی کی تاریخ کو پڑھ لینا کہ یہ بھی علم والے عمل والے، نماز والے، ٹوپی والے، ڈاڑھی والے تھے، لیکن جب ان لوگوں نے نبی ﷺ کی گستاخی کے ذریعے سے ہم آہنگی کو توڑا تو ان کے پاس علم رہ گیا عمل رہ گئے، نماز رہ گئی، ٹوپی اور ڈاڑھی رہ گئی لیکن ایمان نہ رہا۔

سب سے پہلے ہم آہنگی کو کس نے توڑا؟

مکۃ المکرّمہ میں مسلمانوں کی ہم آہنگی کے درمیان کسی قسم کا بال نہیں آیا، تمام مسلمان ہم آہنگی کی ڈوری کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے، ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں کچھ لوگ مصلحتاً اسلام میں داخل ہوگئے تھے، اور حقیقتاً وہ اپنے شعور کے پتھر سے لاشعور میں کفر کو دابے ہوئے تھے، گاہے گاہے ان کی حرکتوں سے ان کا کفر عیاں ہوتا رہتا تھا، جس سے مسلمان سمجھ جاتے تھے کہ یہ ایمانی فعل نہیں بلکہ کافرانہ ادا ہے، لیکن ان کو برداشت کر رہے تھے، کہا گیا ہے عشق اور مشک چھپانے سے نہیں چھپتا ہے آخر کار مصلحتاً اسلام قبول کرنے والوں کی مصلحت بھی زیادہ دنوں تک مخفی نہیں رہ سکی، چنانچہ "بنومصطلق" کی سرکوبی کے وقت "مریسیع" کے کنویں کے قریب جنگ ہوئی، اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح "بنومصطلق" کو شکست ہوئی، اسی مقام پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خادم جہجاہ ابن مسعود غفاری اور سنان بن وبرہ الجہنی

کے درمیان پانی بھرنے کے لئے جھگڑا ہوگیا بات بڑھ گئی حضورﷺ کو خبر ملی آپﷺ نے فریقین کو سمجھا کر معاملہ کو رفع دفع کردیا، لیکن یہ خبر جب عبداللہ بن ابی کو ملی تو وہ بولا کہ ....''مدینہ پہنچنے پر ہم عزّت والے ذلیلوں کو نکال دینگے'' (۵) عبداللہ بن ابی منافق کی اس گستاخی کے مومن گواہ حضرت زید بن ارقم تھے انہوں نے اس منافق کے منھ پر جواب دیا ''بخدا تو ذلیل ہے تو قلیل ہے تو اپنی قوم میں مبغوض ہے، اور ہمارے آقا محمدﷺ کو خداوند رحمٰن نے عزّتیں بخشی ہیں اور اہل ایمان اُن سے والہانہ محبّت کرتے ہیں، اتنا کہہ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں پہنچ کر سارا واقعہ کہہ سنایا، حضور کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی، رخِ انور کا رنگ بدل گیا، بات ٹالنے کے لئے حضورﷺ نے فرمایا، اے نوجوان! شائد تم اس کے بارے میں غلط بیانی سے کام لے رہے ہو، شائد تمہیں شبہ ہوا ہو، شاید تیرے کانوں نے سننے میں غلطی کی ہو، ہر بار حضرت زید نے عرض کیا ''واللہِ یارسول اللہ'' خدا کی قسم! اے اللہ کے رسول میں صحیح عرض کررہا ہو) سارے لشکر میں یہ بات پھیل گئی، حضرت عمر رضی اللہ کو علم ہوا تو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، عرض کیا میرے آقا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں، اللہ کے محبوب نے فرمایا ایسا نہ کرو(۶)

ان باتوں سے جو باتیں اخذ کرنے کے لائق ہیں ان کو اس طرح سے ترتیب دیا جاسکتا ہے۔

(۱) توہین کے جملے:۔ مدینہ پہنچنے پر ہم عزّت والے ذلیلوں کو نکال دینگے'' عبداللہ بن ابی بن سلول

(۲) گواہی کے جملے: خدا کی قسم! اے اللہ کے رسول میں صحیح عرض کررہا ہو'' حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

(۳) حضورﷺ کو تکلیف پہنچنا

(۴) عشق وانصاف کے جملے:۔ آقا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں'' حضرت عمر رضی اللہ

(۵) ایمان وعشق کی دوسری آواز:۔ خدا کی قسم تم اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک حضورﷺ تمہیں اجازت نہ دیں'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ (ابن عبداللہ بن ابی)

(۶) اللہ تعالیٰ کا فیصلہ:۔ اور عزّت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں (۷) عبداللہ بن ابی کی گستاخی کے جواب میں۔

(۷) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا:۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ''ترجمہ! بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہیں اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ

پائے گا۔(۸)

عبداللہ ابن ابی کے نقش قدم پر چلنے والے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور ان کی سرکوبی کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو پیدا فرماتا رہا، اس خطرناک سلسلہ کی کڑی ہندوستان میں امام احمد رضا کی ولادت (شوال ۱۲۷۲ھ) سے تقریباً ۳۹ رسال قبل اور مولانا انواراللہ کی ولادت (۴؍ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ) سے ۳۱ رسال پہلے مولوی اسمٰعیل دہلوی نے عبداللہ بن ابی کے خیالات کو ایک نیا جامہ پہناتے ہوئے لکھا کہ:۔

''جس نے اللہ کا حق اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو دے دیا اس بڑے سے بڑے کا حق ذلیل سے ذلیل شخص کو دے دیا کیونکہ اللہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے مقابلے میں اس کی مخلوق کی غلامانہ حیثیت ہے جیسے کوئی تاج شاہی ایک چمار کے سر پر رکھ دے بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا بے انصافی ہوگی یقین مانوں کہ ہر شخص خواہ وہ بڑے سے بڑا انسان ہو یا مقرب فرشتہ اس کی حیثیت شان الوہیت کے مقابلے پر ایک چمار کی حیثیت سے بھی زیادہ ذلیل ہے(۹)

مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں اسی قسم کی واہیات کو جگہ دی ہے، جس پر اس زمانہ سے آج تک ہنگامہ جاری ہے، مولوی اسماعیل دہلوی نے ایمان وایقان، محبت وادب کے ساتھ اپنے خاندان کی ہم آہنگی کو بھی توڑ دیا تو ان کے خاندان کے علماء نے ان پر فتوی لگا کر اسلام سے نکال باہر کردیا اور ان کے چچا حضرت شاہ عبدالعزیز نے ان کو اپنی جائیداد سے محروم کردیا، تفصیل کی یہاں پر گنجائش نہیں ہے۔

اور جب مجدّد دین وملّت مولانا احمد رضا قادری اور شیخ الاسلام مولانا انواراللہ فاروقی کا دور آیا تو مولوی اسماعیل دہلوی کی بھونڈی سُر وتال میں تال ملانے والوں کی زیادتیاں ہونے لگیں تو مولانا احمد رضا قادری ومولانا انواراللہ فاروقی اور دیگر علمائے کرام نے قلم کی تلوار سنبھالی، تقریر کا میدان سجایا، خطوط لکھے، ذاتی طور پر ملاقاتیں کیں، لیکن قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے؟ جن کی قسمت میں گستاخیاں لکھی ہوئی تھیں، نہیں سمجھے نہیں مانے، ببول کو انگور اور املی کو آم کہتے رہے، مولوی اسماعیل دہلوی کی متنازع کتاب کے بعد مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھ مارا:۔

''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص

ہے ایسا علم غیب تو زید وعمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے (۱۰)

مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب ''حفظ الایمان مع بسط البنان'' کی دل آزار اور کفریہ تحریر کے تعلق سے امام احمد رضا نے ان کو کئی خطوط لکھے، ان میں سے ایک خط کا کچھ حصہ ملاحظہ کیجئے:۔

جناباً! یہ کیا انصاف ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں لکھنے کے لئے آپ ناطق بھی، محرر بھی، مصنف، مناظر حفظ الایمان کی تقریریں ملاحظہ ہوں یہ رد وکد نہیں تو کیا ہے؟ اور جب اہل اسلام اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے حقوق کا آپ سے مطالبہ کریں تو آپ یوں بے زبان و بے گوش بن جائیں، فقیر ہوکر دین ودنیا سے فارغ و بے ہوش بن جائیں۔

نگفتہ ندارد کسے باتو کار ☆ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

یاد ہو جب تک مولوی گنگوہی صاحب بقید حیات رہے آپ کو کسی نے نہ پوچھا، جو مطالبہ تھا ان سے تھا، وہ بقید ممات ہوئے اور آپ ان کی جگہ رکھے گئے، اب آپ سے مواخذہ ہے اور خصوصاً خود آپ کے لفظوں کا، دوسرا کیوں شارح بنے۔

تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں

مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ کو گالیاں دینے کے لئے آپ تھے اور تاویل کو دوسرا آئے! جناباً! یہ کوئی دنیوی لڑائی نہیں، تیغ وتیر کا میدان نہیں، آپ ڈرتے کیوں ہیں؟ یا یہ سکوت اس لئے ہے کہ آپ سمجھ لیتے اور جانتے ہیں کہ جواب ناممکن ہے، اللہ اللہ اس سے کیا بہتر، مگر ایسا ہے تو سکوت کافی نہیں اذا عملت سیئة فاحدث عنه بالتوبه السر بالسر والعلانية بالعلانية۔

جس طرح چودہ ورقی حفظ الایمان باعلان چھاپی اور بار بار چھپ رہی ہے، اعلان چھاپ دیجئے کہ واقعی وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین تھی اور اب میں توبہ اور اسلام لاتا ہوں، ہاں! اس سے آپ کی قدر نہ گھٹے گی بلکہ عند العقلاء اور سچی توبہ ہوئی تو عند اللہ بھی آپ کی قدر ہو جائے گی، ہر از سرنو سولہ روز کی مہلت دیتا ہوں ایک دن آپ کے حواریوں کے پاس پہنچنے کا، دو دن آپ کے پاس پہنچے کے، یوں تین دن آپ کی مہری دستخطی تحریر یہاں آنے کے اور کامل دس دن آپ کے ہاں لکھ کر مہر کر دینے کے، والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ، ۱۹/صفر ۱۳۲۹ھ (۱۱)

خط کو بغور پڑھئے تو واضح ہو جاتا ہے کہ خط میں ہمدردی، اخوت، محبت، ہم آہنگی کے جملے ہیں اپنے

آقا علیہ السلام ﷺ سے سچی محبت کا جذبہ ہے، صراط مستقیم پر آجانے کی پرخلوص دعوت ہیں، بہترین مشورہ ہے، توبہ کر لینے کی رائے ہے، یاد دہانی ہے، رجوع کر لینے میں عزت ہی عزت ہے، لیکن برا ہو نفس بد کیش کا کہ مولوی صاحب کو راستے پر آنے نہیں دیا، قیل وقال کر کے جان چھڑاتے رہے اور جب نہیں چھٹی تو خاموش ہوکر بیٹھ رہے۔

ایسے لوگوں سے ہوشیار کرتے ہوئے مجدد وقت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا:۔

''تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو، جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد، جب وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کریں اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت، ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، ان کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر نہ تم اپنے رشتے علاقے دوستی، الفت کا پاس کرو نہ اس کی مولویت، مشیخت، بزرگی، فضیلت کو خطرے میں لاؤ کہ آخر جو کچھ تھا محمد رسول اللہ کی غلامی کی بنا پر تھا جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا؟ اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں، کیا بہترے یہودی جبے نہیں پہنتے؟ عمامے نہیں باندھتے؟ ان کے نام وعلم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں؟ کیا بہترے پادری، بکثرت فلسفی، بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے؟ اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابل تم نے اس کی بنائی چاہی، اسنے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ جانا یا اسے برا کہنے پر برا مانا یا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پرواہی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی تو للہ اب تم ہی انصاف کر لو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے، قرآن وحدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے دور نکل آئے الخ (۱۲)

حضرت انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ نے بھی لکھا ہم آہنگی کو برقرار رکھا، گستاخ رسول ﷺ کی گستاخی کو گستاخی کہا، غلط کو غلط بتایا، اور ''لاتقولوا راعنا'' کو عنوان سخن بنا کر لکھا...... ''پھر اس کی سزا یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ لفظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن ماردی جائے بالفرض کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ حکم عام تھا بے شک مارا جاتا اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ تم نے اس سے کیا مراد لی تھی، اب غور

کرنا چاہئے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً کس درجہ قبیح ہوگا اگر صحابہ کے روبرو جن کے نزدیک راعنا کہنے والا مستوجب قتل تھا کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا یہ تاویلات باردہ مفید ہوسکتیں؟ ہرگز نہیں مگر اب کیا ہوسکتا ہے سوائے اس کے کہ اس زمانہ کو یاد کرکے اپنی بے بسی رویا کریں، اب وہ پرانے خیالات والے پختہ کار کہاں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کر دیئے، ان خیالات جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانہ کی ہوا دیکھ نہ سکی، غرض میدان خالی پا کر جس کا جی چاہتا ہے کمالِ جرات کے ساتھ کہہ دیتا ہے، پھر اس دلیری کو دیکھئے جو گستاخیاں اور بے ادبیاں جو قابل سزا تھیں، انہیں پر ایمان کی بنا قائم کی جارہی ہے جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون سمجھنے میں البتہ غور تامل درکار ہے (۱۳)

گستاخان رسول ﷺ کے سروں پر بجلیاں بن کر گرنے والوں کے سپہ سالار حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ جو آخری دم تک اپنے رسول ﷺ کے گیت گاتے رہے اور دشمن رسول ﷺ سے نبرد آزما رہے، اس سلسلہ میں آپ نے متعدد کتابیں لکھیں، نام لے لے کر کتابیں لکھیں، توبہ کرنے کی دعوتیں دیں، صراط مستقیم پر بلایا، نبوت و رسالت کا مقام بتایا، عشق محمدی ﷺ کے فوائد بتائے، لفظ ''راعنا'' کے تعلق سے لکھتے ہیں:۔

کچھ یہودی جب دربار نبوت میں حاضر ہوتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرض کرنا چاہتے تو یوں کہتے سنیے، آپ سناتے نہ جائیں، جس سے ظاہر تو دعا ہوتی یعنی حضور کو کوئی ناگوار بات نہ سناتے اور دل میں بددعا کا ارادہ کرتے کہ سنائی نہ دے اور جب حضور اقدس ﷺ کچھ ارشاد فرماتے اور یہ بات سمجھ لینے کے لئے مہلت چاہتے تو ''رَاعِنَا'' کہتے جس کا ایک پہلوئے ظاہر یہ کہ ہماری رعایت فرمائیے اور مراد خفی رکھتے رعونت والا اور بعض کہتے ہیں زبان دبا کر ''رَاعِیْنَا'' یعنی ہمارا چرواہا، جب پہلودار بات دین میں طعنہ ہوئی تو صریح وصاف کتنا سخت طعنہ ہوگی بلکہ انصاف کیجئے تو ان باتوں کا صریح بھی ان کلمات کی شناعت کو نہیں پہنچتا بہرا ہونے کی دعا یا رعونت یا بکریاں چرانے کی طرف نسبت کو ان الفاظ سے کیا نسبت کہ شیطان سے علم میں کمتر یا پاگلوں چوپایوں سے علم میں ہمسر اور خدا کی نسبت وہ کہ جھوٹا ہے جھوٹ بولتا ہے جو اسے جھوٹا بتائے، مسلمان سنّی صالح ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین (۱۴)

حضرت انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ نے بھی اس تعلق سے مختلف کتابیں لکھیں، دشمنوں کو حیا دلائی

کہ تم اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے حضور ﷺ کو ویسا ہی کہتے ہو جیسا کے مکہ کے کافروں نے کہا تھا، یہ تجھے زیب نہیں دیتا کہ تم حضور سے مساوات کا دعوی کرو اور اپنے جیسا بشر کہو اس عنوان پر آپ افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''افسوس ہے کہ چندروز سے پھر وہی مساوات کا خیال آخری زمانہ کے بعض مسلمانوں کے سروں میں سمایا، اور گویا یہ فکر شروع ہوئی کہ وہ سب باتیں تازہ ہوجائیں کبھی ''انما انا بشر مثلکم'' میں خوض ہوتا ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو حضرت نے بھائی کہا ہے اس لئے حضرت بڑے بھائی ہیں، اب اس خیال نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ وہ آیات و احادیث منتخب کی جاتی ہیں جس سے ان کے زعم میں منقصت شان ہو، اور وہ احادیث کہ آن حضرت ﷺ نے براہِ تواضع کچھ فرمایا ہے اپنی دانست میں ان کو کسر شان کے باب میں قرار دے کر شائع کی جاتی ہیں، ہم نے مانا کہ نقلاً اور عقلاً ہر طرح سے اس مسئلہ میں زور لگایا جائے گا لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ انتہا اس کی کہاں ہوگی ہم یقین سمجھتے ہیں کہ آخر یہ حضرات بھی مسلمان ہیں، آنحضرت ﷺ کے مرتبہ کو اس سے تو ہرگز کم نہ بیان کریں گے کہ جس قدر کفار سمجھتے تھے یعنی بشر مثلنا مگر معلوم نہیں اس سعی کا کیا نتیجہ ہوگا اتنی بات تو کافروں سے پوچھنے میں حاصل ہوجاتی ہے اس میں قرآن کی ضرورت ہے نہ حدیث کی........ مزید آگے لکھتے ہیں.......... ''طالبِ راہ کو چاہئے کہ جب کسی کو اپنا راہبر بنائے تو پہلے اس امر کی بخوبی تحقیق کرلے کہ کونسی راہ لے جائے گا، اگر بیچارے جاہل کوتاہ نظر سے دریافت نہ کرسکیں تو معذور ہیں مگر اہل امتیاز اندازِ کلام اور طرز بیان سے معلوم کرسکتے ہیں کہ وہ شخص کس راہ کی آمادگی کر رہا ہے، مثلاً کسی نے وہ حدیث پڑھی جس میں آنحضرت ﷺ نے متاخرین کو اپنا بھائی فرمایا ہے یہاں ایک تو وہ شخص ہوگا کہ مارے شرم کے سر نہ اٹھا سکے گا کیونکہ اگر کوئی اچھی طرح آنکھیں مل کے اپنی حالت کو دیکھے تو معلوم ہو کہ کس قدر آلودہ عصیاں ہے (۱۵)

مولانا احمد رضا قادری اور مولانا انوار اللہ فاروقی نے گستاخانِ رسول ﷺ کی گستاخیوں کے پردے فاش کرکے دینِ متین کے معاملہ میں اپنی ہم آہنگی کا ثبوت دیا ہے، جن باتوں کا قرآن نے اعلان فرمایا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہوا، مسلمان عالم اسی راستے پر چلتے رہے، گاہے گاہے کچھ لوگوں نے کلمہ پڑھ کر عبداللہ بن ابی جیسی حرکتیں کرتے رہے لیکن علمائے حق نے رد کرکے لوگوں کو صحیح راستے کا نشان بتایا، ایمان کے لٹیروں سے ہوشیار کیا، محبت رسول ﷺ کی سند قرآن و احادیث سے پیش کرکے لوگوں کو صراط مستقیم پر جمع فرمایا، دور حاضر میں بھی اسی بات کی ضرورت ہے کہ عوام خواص

مضبوطی سے اسلام کا دامن تھام کر عشق رسول ﷺ کا ترانہ پڑھتے رہیں۔

ماخذ ومراجع

(۱) پارہ ۴/سورہ بقرہ آیت ۱۰۳/ترجمہ! کنزالایمان

(۲) اشرف التفاسیر جلد چہارم ص ۶۷۔۶۸، ناشر مکتبہ رضویہ، ۵۱۰/مٹیا محل، دہلی ۶

(۳) تفسیر خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، حاشیہ ص ۱۱۳، ناشر نازیہ پرنٹرز اینڈ پبلشر، رودگران، لاکنواں دہلی ۶

(۴) تفسیر ضیاء القرآن جلد ۱ ص ۲۵۹، ناشر اعتقاد پبلشنگ ھاوس ۱۵۶۱، سوئیوالان، نئی دہلی ۲

(۵) نورالعرفان ص ۸۸۶/مفسر حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی، ناشر فرید بکڈپو، جامع مسجد دہلی ۶

(۶) تفسیر ضیاء القرآن جلد ۵ ص ۲۴۷، سے ماخوذ، ناشر اعتقاد پبلشنگ ھاوس ۱۵۶۱، سوئیوالان، نئی دہلی

(۷) سورۂ منافقون کی آیت نمبر ۸۔ترجمہ! کنزالایمان

(۸) سورۂ النسآ کی آیت نمبر ۱۴۵۔ترجمہ! کنزالایمان

(۹) تقویۃ الایمان ص ۶۸، مصنفہ اسماعیل دہلوی، ناشر الدعوۃ والارشاد جدہ

(۱۰) حفظ الایمان مع بسط البنان ص ۴۶۔مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی۔ناشر کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ضلع سہارنپور

(۱۱) مکتوبات امام احمد رضا محدّث بریلوی ص ۱۲۹۔۱۳۰۔مرتبہ مولانا محمود احمد قادری، ناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا بمبئی ۱۱

(۱۲) تمہید ایمان، از امام احمد رضا قاری بریلوی

(۱۳) مرقع انوار ص ۱۱۵، مرتبہ شاہ فصیح الدین نظامی، ناشر مجلس اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ شبلی گنج حیدرآباد

(۱۴) تمہید ایمان، از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی

(۱۵) مرقع انوار ص ۱۱۹

مرقع انوار'' کی ضیاباریاں

ہماری قوم جاگتی ہے مگر دیر سے......صدا لگاتی ہے لیکن لُٹ جانے بعد......اپنے جوہر دکھاتی ہے مجمع منتشر ہو جانے پر......لوگوں کو قریب بُلاتی ہے اُن کے دُور نکل جانے کے بعد......میدان میں پہنچتی ہے معرکہ سر ہو جانے کے بعد۔

کچھ لوگ کچھ کرنا چاہتے ہیں کچھ لوگ ہیں کہ کرنے نہیں دیتے......کچھ حق بولنا حق لکھنا چاہتے ہیں کچھ ہیں کہ نہ بولنے دیتے نہ لکھنے دیتے ہیں......کچھ نئی جہتوں کی جانب سفر کرنا چاہتے ہیں کچھ ہیں کہ ان کو سفر کرنے سے پہلے ڈرا دیتے ہیں......وہ کون لوگ ہیں پڑھے لکھے، ہوشمند، مفکر، دانشور، عالم، دانا، باوقار، بارسوخ......کیوں؟ کیونکہ انؔ کے دل مین حسد کا مرض ہے......بغض کی بیماری ہے......کینہ کا زخم ہے......رعونت کی بدبو ہے......نخوت کا ناسور ہے...ایسے لوگ چڑھتے سورج کو دیکھنا نہیں چاہتے......اپنوں کو اپنے کے قریب ہونے نہیں دیتے......یہی لوگ ہیرے کو پتھر اور پتھر کو ہیرا کہتے......اعلیٰ کو ادنیٰ بتاتے......کامل کو ناقص اور ناقص کو کامل گردانتے ہیں۔

ان ساری رکاوٹوں کے باوجود حق بولنے والے حق بول لیتے......لکھ لیتے ہیں......پتھروں سے جوئے شیر نکال کر دکھا دیتے ہیں......ستاروں سے آگے جہاں اور ہے کی خبر دیتے ہیں......عوض میں لوگ استقبال کرتے ہیں......داد دیتے ہیں......دعاؤں سے نوازتے ہیں....سر آنکھوں پر لیتے......اور ان کے حق میں زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں تو ان بیمار ذہن اور مریض دل کے لوگوں کے چہرے لٹک جاتے ہیں.....خون سوکھ جاتا ہے اور سانسیں رُک جاتی ہیں کہ ہائے یہ کیا ہو گیا؟ وہی ہوا جو خدا کو منظور تھا۔

کوئی شخص کسی کے آگے دیوار بن سکتا ہے لیکن خدائے تعالیٰ کے لکھے ہوئے کو ٹال نہیں سکتا، کتاب

کے علم کو جان سکتا ہے، وحدہٗ لاشریک لہٗ کی مشیّت کو نہیں سمجھ سکتا، کسی کے کان بھر سکتا ہے، مگر وہ کارساز کے کام میں خلل نہیں ڈال سکتا.....وہ جس سے جو کام چاہتا ہے لے لیتا ہے.....وہ چہرے کو نہیں دل کو دیکھتا ہے کہ کس کے تئیں کون مخلص ہے......کس کام کے لائق کون ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد میں مبارک بادی پیش کرتا ہوں.....اس شخص کو جس کو میں نے کبھی دیکھا نہیں.......اس ذات سے کبھی میرا اسلام وکلام ہوا نہیں.....کبھی مراسلت ہوئی نہیں....شاید آپ نہ مجھ کو نہیں جانتے تھے نہ میں ان کو جانتا تھا، ان کے کارنامے پر مشتمل کتاب کا نام ہے ''مرقّعِ انوار'' اور اس شخصیت کا نام ہے، شاہ محمد فصیح الدین نظامی، کتاب آپ کی تصنیف یا تالیف نہیں ہے بلکہ موصوف کی تدوین ترتیب دی ہوئی ہے، یہ کتاب شیخ الاسلام محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ کی شخصیت اور کارناموں سے متعلق ۱۳؍ابواب پر مشتمل ۱۱۹۴؍سفید صفحات اور ۱۵۶؍رنگین صفحات پر پھیلی ہوئی دعوت مطالعہ دیتی ہے۔

باب اوّل۔شیخ الاسلام، شخصیت، خاندانی پسِ منظر، کے تحت ۲۴؍قلمکاروں کے مقالات ومضامین شامل ہیں۔

باب دوم۔ کے ذیل میں، شیخ الاسلام کی اصلاحی وتجدیدی خدمات پر اُنتیس دانشوروں کے مقالے جگمگا رہے ہیں۔

باب سوم۔شیخ الاسلام کی علمی وادبی خدمات، کے جائزے میں دس قلمکاروں کو شمولیت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

باب چہارم۔شیخ الاسلام بحیثیت صوفی کامل، کے عنوان پر پانچ مختلف سلاسل شطاری، چشتی، سیفی، قادری، نظامی سے بندھے ہوئے مضمون نگاروں کی غواصی کے موتی قریب ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

باب پنجم۔شیخ الاسلام کے مشہور تلامذہ وخلفاءِ طریقت، کے ضمن میں کتاب ھذا کے ترتیب کار شاہ فصیح الدین نظامی صاحب نے بارہ اور مولانا محیی الدین قادری محمودی صاحب نے چار تلامذہ وخلفاء کی سیرت وسوانح سے متعارف کرایا ہے۔

باب ششم۔شیخ الاسلام کی متاعِ عزیز ''جامعہ نظامیہ'' کے تعارف وتبصرہ کا سلسلہ صفحہ ۵۲۷؍سے شروع ہو کر صفحہ ۷۰۹؍پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

باب ہفتم۔شیخ الاسلام جامعہ نظامیہ اور شاہی فرمان، کے عنوان کے ذیل میں چار مقالے شامل ہیں۔

باب ہشتم۔شیخ الاسلام کے افکار ونظریات، کے تحت شیخ الاسلام کے ۱۲؍مضامین ومقالات ورسائل وکتب پیش کئے گئے ہیں، جس سے شیخ الاسلام کے افکار ونظریات اور علماءِ بریلی، علمائے بدایوں، علمائے مارہرہ اور علمائے کچھوچھ کے افکار ونظریات کی مطابقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

باب نہم۔شیخ الاسلام کا ذوق شعر وسخن، کے عنوان پر قطب معین الدین انصاری، ڈاکٹر سیّد عقیل ہاشمی اور پروفیسر ڈاکٹر کے عبدالحمید اکبر کے طویل مقالہ کے بعد شیخ لاسلام کے کلام کے نمونے سے قارئین کی ضیافت کی گئی ہے۔

باب دہم۔شیخ الاسلام کے معاصر عالمی علماء ومشائخ کرام، اس عنوان سے شاہ فصیح الدین نظامی صاحب نے طویل اور معلوماتی مقالہ لکھا ہے اور صفحہ ۹۲۶ سے ۹۴۷ تک اکیلے چھائے ہوئے ہیں۔

باب یازدہم۔شیخ الاسلام مشاہیر عالم کی نظر میں۔مرتبتِ کتاب شاہ فصیح الدین نظامی کا یہ مقالہ صفحہ ۹۴۹؍سے شروع ہو کر صفحہ ۹۶۴؍پر ختم ہوتا ہے، اس میں دو عناوین اور شامل ہیں ''شیخ الاسلام القاب وآداب کے آئینہ میں'' اور شیخ الاسلام کی شخصیت وخدمات پر تحقیقی کتب ومقالات۔

باب دوازدہم۔شیخ الاسلام وآثارہ العلمیة والدینیة والدعویة والثقافیه، کے تحت عربی زبان میں ۲۷؍مقالوں کی شمولیت بھی خوب ہے۔

باب سیزدھم (انگریزی زبان کی سرخی) Retormer of the Mellennium کے ضمن میں سات مقالات شامل ہیں، اس کے بعد ''منظومات ومناقب'' کے سلسلہ میں مختلف شعراء نے حصّہ لیا ہے۔

مذکورہ بالا سرخیوں کے ذیلی عناوین کے تحت مقالہ نگاروں نے شیخ الاسلام محمد انوار اللہ فاروقی کی زندگی کے کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، موصوف پر آئندہ کام کرنے کے لئے مولانا شاہ فصیح الدین نظامی صاحب نے ہر طرح کا مواد اکٹھا کر کے ''مرقّعِ انوار'' نامی صندوق میں بند کر دیا ہے، مدتوں کے بعد مطلع صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے، عظیم شخصیت کی پہچان کرائی گئی ہے، عظیم شخصیت کے کارناموں کو منظر عام پر لایا گیا ہے، عظیم باب کھول کر عظیم کام کیا گیا ہے۔

کتاب کھولنے کے بعد رنگ رنگ کے طغروں، عکسی تحریروں، مزارات کے گنبدوں، جامعہ نظامیہ کی اندرونی وبیرونی دیدہ زیب عمارتوں کی زیارت کے بعد شاہ محمد فصیح الدین نظامی صاحب کے مقدمہ سے کتاب کی ابتدا ہوتی ہے، مقدمہ ہی سے شیخ الاسلام کے کارناموں کے جام چھلکنے شروع ہو جاتے ہیں، تحریری، تعمیری، تجدیدی، اصلاحی، معاشرتی، اخلاقی کارناموں کے سوتے، ندیوں اور دریاؤں کے

دکھانے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، شیخ الاسلام کی تاریخ پیدائش وماہ وسال ومقام کا آئینہ (۴ ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ) نانڈیر سامنے آتا ہے، یہ دور ہنگامی دور تھا لیکن شیخ الاسلام محمد انواراللہ فاروقی اپنے مقصد کے راستہ پر چلے، کامیاب ہوئے، عالم وفاضل بنے، دین اسلام، تجدید واصلاح، تحریر وتعمیر کے مشن پر لگ گئے، یا یوں کہئے کہ قوم وملت پر گنگھور گھٹا بن کر ایسا برس گئے کہ قوم وملت کے ایمانیات واسلامیات ،اعمالیات وصالحات کی کھیتی لہلہا اٹھی۔ اسلامیات کے باغ میں بنام مسلمان بہت سارے پیڑ پودے اور درخت کھڑے ہوئے تھے، لیکن ان پیڑوں، پودوں، اور درختوں میں عمل صالح کے پھول اور پھل دینے کی صلاحیت نہیں تھی، وہ بے عملی کی دھوپ میں کمھلا گئے تھے، معاشرے کی زبوحالی کے گرد وغبار کے میل کی تہیں ان کے ایمانیات کے نقش تاباں پر جم گئی تھیں، شیخ الاسلام نے ان پر محنتیں کیں، اپنے علم کنویں سے ان کو سینچا، دعوت کے دریا میں غسل دیا، عمل صالح کا پھل کھلایا، پھول سنگھایا، پھل کھانے اور پھول سونگھنے والوں کو لطف آیا، پاکیزگی نے روح پر اثر دکھایا ان کے قدم پارسائی کے جانب بڑھنے لگے، نیکی پر جمنے لگے، شریعت سے محبت کرنے لگے وہ پھر اسلامیات کے باغ کے کامل اور تناور درخت بن گئے۔

''مرقع انوار'' کے اوراق گواہی دے رہے ہیں کہ جنوبی ہند کے جیالوں کی جبیں پر جلیل القدری کے جھومر لگانے، اسلام کے نفع بخش وادی میں باریاب کرا کر اس سے یاری کرانے، ہمت دلانے، ہجر سے نکال کر وصل کی دوا پلانے میں شیخ الاسلام کا بیش بہا کردار رہا ہے، جس کی فہرست طویل ہے، مختصر یہ کہ آپ عیش ونشاط، گانے بجانے اور فسق فجور کے بازاروں میں اصلاح کی غرض سے قدم رکھا اور کامیاب رہے۔ شریعت مطہرہ کی خدمت کرنے والوں کے لئے انعامات مقرر کئے تھے۔ دور حاضر میں ایسی باتیں مفقود ہیں۔ خدمت کرنے والوں کو کوئی پوچھتا ہے نہ سراہتا ہے نہ حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ڈھول پیٹ کر بھیڑ اکٹھا کرنے والوں کی چاندی ہے ایسے لوگ انعامات کے ساتھ لوگوں کا حق اور حق المحنت بھی اڑا لے جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں نہ کوئی نظام ہے نہ کوئی طریقہ، ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے والے اپنے آپ میں مست ہیں، کوئی پوچھ کر دیکھ لے کہ کیا حال ہے۔ امت مسلمہ کا، قوم کا، فلاں علاقے کا، فلاں قریہ کا، فلاں شہر کا، فلاں فلاں اضلاع اور صوبے کا تو یہ کہکر خاموش کر دیا جاتا ہے کہ سب خیریت ہے۔

شیخ الاسلام نے دیہی علاقوں کے لئے اہل علم کا ایک قافلہ تیار کر رکھا تھا جو دیہی علاقوں میں جاکر تعلیم واخلاق کا درس دیتا تھا، آج ہم اپنے بزرگوں اور اکابرین کے کردار وعمل کی تاریخ ضرور دُہراتے ہیں مگر ان کے کردار وعمل پر عمل کرنے سے دامن بچاتے ہیں۔ ہماری بے عملی پر افسوس بھی افسوس کرتا ہے لیکن افسوس

یہی ہے کہ ہمیں کوئی افسوس نہیں ہے کہ ہم نے لفظ افسوس کو اپنے سے بہت دور پھینک دیا ہے، ہے کوئی اس دور کا جیالا جو اٹھے اور اپنی قوم کی خاطر لفظ افسوس کو اپنے دل میں بسا کر قوم کی قسمت بدلنے کے لئے تیار ہوجائے۔؟

شیخ الاسلام۔ زوجین کی نااتفاقی، ناچاقی کو کورٹ کچہری میں نہیں پہنچنے کی غرض سے واعظین کو مقرر کر رکھا تھا۔ اپنے منشاو مقصود کا پابند عدالت کو بھی بنایا تھا کہ طلاق وغیرہ کے مقدمے پیش ہوں تو صدارت العالیہ کو اس کی خبر کی جائے۔

شیخ الاسلام کو اپنے ہم رتبہ، ہم پیشہ، ہم منصب کا، اس کے ساتھ اپنی قوم کا کتنا خیال تھا کہ مساجد میں نماز پنجوقتہ ہوں اور لوگ جماعت سے نماز پڑھیں، دین کے معاملہ میں بیدار رہیں ہوشیار رہیں، اچھوں کی صحبت میں رہیں ان مقاصد کے پیش نظر مساجد میں ائمہ وموذنین کو مقرر فرما کر حکومت سے ان کو سالانہ رقم دلواتے۔ ذبیحہ خانوں میں ذبیحہ جانوروں کے لئے مسائل ذبح سے واقف ملاؤں کا تقرر لازمی قرار دیا گیا۔ ان مسائل کی طرف آج کے دور میں بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ذبیحہ کے پیشہ سے منسلک برادری کی اکثریت جاہل اور ناخواہ ہیں۔ مسائل ذبیحہ سے ناواقف ہیں، جانوروں کے اچھلنے، کودنے اور شرارت کرنے پر غصہ میں جھنجلا کر زمین پر گراتے اور گالیاں دیتے ہوئے چھری چلا دیتے ہیں۔ اس بدعت میں کثرت سے لوگ مبتلا ہیں، بعض نشہ کے حالت میں ہی جانوروں کو ذبح کر دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام نے شراب، سیندھی (تاڑی یا کھجور کا رس) مسکرات (یعنی نشہ دینے والی چیزیں) کی دوکانوں کو شہر سے باہر کروانے کا کارنامہ بھی انجام دیا۔ مزارات اولیاء پر عرس کے موقع سے مینا بازار قائم کر کے طوائف اپنا پیشہ اور مجرا بازی کرتی تھیں آپ نے ان کو بند کروایا۔ غیر مسلم عورتیں مرلی بنتی تھیں ، مرلی کی رسم کے بعد وہ جس مرد سے چاہیں ناجائز تعلق پیدا کرنے میں آزاد تھیں۔ شیخ الاسلام نے اس کے خاتمہ کے لئے بھی کمر کس کر میدان میں نکلے اور اس قبیح فعل کا خاتمہ کرا کر ہی دم لیا، اسی طرح مرد مخنث بنتے، زنانہ لباس پہنتے تھے، آپ نے اس کو بھی ختم کروایا۔

شیخ الاسلام کے تجدیدی واصلاحی کارناموں کی جھلکیاں بے مثال اور لاجواب ہیں، آب زر سے لکھنے کے لائق اور قابل تقلید ہیں۔ سوتی ہوئی قوم کو بیدار اور رہنمائی کرنے والے رہنماؤں کے لئے آئینہ ہیں۔ غور کیجئے مذکورہ جھلکیاں ہم سے کچھ کہہ رہی ہیں؟ ہم سے کچھ مطالبہ کر رہی ہیں؟ ہمیں جھنجھور رہی ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہیں تو ہمیں اٹھ کر کھڑا ہوجانا چاہیئے، ویسا ہی اسی طرح کر کے دکھا دینا چاہئے۔ جس

طرح سے شیخ الاسلام نے کیا، کر کے دکھایا یہ تو شیخ الاسلام کے کردار وعمل کی جھلکیاں تھیں جو اوپر میں گزری ہیں۔ شیخ الاسلام نے قلم سے بھی کام لیا ہے۔

شیخ الاسلام کی تصنیفی وتعلیمی خدمات

عام اور جاہل لوگوں کے حق میں وعظ اور بیان وتقریر سود مند ہیں تو پڑھے لکھے اور اہل علم کے لئے تحریریں مفید ہیں، مفسر ومحدث کو بھی، مصنف ومولف کو بھی، مقرر ومحرر کو بھی، مجتہد وامام کو بھی تحریر کی ضرورت ہے، قلم کی زبان، قلم کار کو، اسکی ذات کو اس کی صفت کو، اسکے کارناموں کو زندہ رکھتی ہے تحریر کی کاشت غیر معمولی کاشت ہے، اس کاشت سے علوم دینی ودنیاوی کے مراکز کی رونقیں بحال ہیں، مکتبے اور کتب کھانے زندہ ہیں لائبریریاں اور مطالعے کی میزیں سجی ہوئی ہیں یہ خوف خدا کا نسخہ بھی ہے، عشق رسول کی دوا بھی، یہ اطاعت اور بندگی کا آئینہ بھی ہے، ماضی وحال کی شخصیتوں کے جاننے کا وسیلہ بھی، اس میں راز بھی ہے بازار بھی، اس میں سوز بھی ہے ساز بھی، اس میں اشک بھی ہے قہقہہ بھی، اس میں نور بھی ہے ظلمت بھی یعنی جیسی شخصیت ہوگی ویسی ہی اس کی تحریر ہوگی یہ میں بن کر پھلتی ہے اور ہم بن کر پھیل جاتی ہے، یہ فرد سے نکلتی ہے اور افراد پر چھا جاتی ہے اس میں شفا ہے تاثیر ہے۔ دل موہ لینے کی قوت ہے، بیگانے کو اپنا بنا لینے کی طاقت رکھتی ہے، سوتے ہوئے کو جگا دیتی ہے، نامردوں کو مرد اور مردوں کو شیر بنا دیتی ہے، یہ ایسی ہے، اسی طرح ہے، یقین نہ آئے تو ''انوار احمدی'' اٹھا کر دیکھئے، اس کتاب کے تعلق سے ''مرقع انوار'' کے صفحات پر رئیس التحریر علامہ ارشد القادری کی تحریر سے اقتباس پڑھیئے، لکھتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے فکر انگیز مضامین، اپنے ایمان افروز مواد اور پرنور حقائق کے اظہار میں اپنے جرأت مندانہ کردار کے لحاظ سے قطعاً اس لائق تھی کہ ہر مسلمان اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا اور عشق وایمان کی حرارت سے اپنے دل کے احساسات کو گرم رکھنے کے لئے حرز جاں بناتا لیکن ایسا نہیں ہوا، اور سخت افسوس ہوا کہ ان ساری خوبیوں کے باوجود اس کتاب کو وہ ہمہ گیر شہرت حاصل نہیں ہو سکی جس کی بجا طور پر وہ مستحق تھی'' ص ۴۱۹

شیخ الاسلام نے عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر عشق رسول کو عام کرنے کی غرض سے فضائل رسول، عظمت صحابہ، آداب اولیاء کا ''مرقع'' بنایا، نام رکھا ''انوار احمدی'' لیکن انوار احمدی کو علامہ کی زبان میں ہمہ گیر شہرت حاصل نہیں ہو سکی، یہ اپنوں کی کاہلی ہے یا عیاروں کی سازش؟ جو بھی ہو ''انوار احمدی'' کو

دیکھنے والے، پڑھنے والے، سننے والے سبھوں نے سراہا، اس سے متاثر ہوئے اور ہوسکتا ہے کہ کتاب کے عشق نے کتنوں کو عشق کی وادی میں پہنچا دیا ہو، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمت کا سکہ دل پر بیٹھا دیا ہو، بارگاہ اولیاء کا مؤدب بنا دیا ہو۔ جس کو عشق رسول ﷺ کا گہر ملتا ہے وہ صحابہ کرام، اولیاء عظام، علماء وصلحا کی بارگاہ کا باادب بندہ بن ہی جاتا ہے۔ ''مرقع انوار'' کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام کی تصنیف لاجواب ''مقاصد الاسلام'' گیارہ حصوں پر مشتمل ہے، ان گیارہ حصوں کی ٹائیٹل پیج کے عکس کو ''مرقع انوار'' کے صفحات پر دیئے گئے ہیں جو نہایت خوبصورت ہیں، جو مختلف مطبع سے شائع ہوئی تھیں، تفصیل اس طرح ہے، پہلے حصہ پر جلی قلم سے لکھا ہوا ہے ان الدین عنداللہ الاسلام، اس کے نیچے دوسطر میں تحریر ہے ''مدرسہ نظامیہ کے افادات کا علمی ذخیرہ جو مباحث۔ اخلاق، تمدن، فقہ اور کلام پر مشتمل ہوگا۔ مسمی بہ مقاصد الاسلام۔ فرست مضامین اور ''اہتمام'' تحریر ہے۔ پھر، در مطبع فدائی دکن واقع حیدرآباد طبع شدہ۔ ۱۴۲ صفحات پر مشتمل اول جلد ۱۳۲۷ھ میں شائع ہوئی تھی۔

حصہ دوم۔ کا موضوع۔ عقل، درایت، معجزات ہے۔ ۲۰۸ صفحات پر مشتمل یہ حصہ ۱۳۳۱ھ میں مذکورہ مطبع سے شائع ہوا تھا۔

حصہ سوم کا موضوع۔ اسلامی روحانی نظام، جدید فلسفہ اور حکمت کی روشنی میں ہے۔ ۱۲۶ صفحات کی یہ کتاب ۱۳۲۸ھ میں۔ مطبع سجانی واقع حیدرآباد دکن سے طبع ہوئی تھی

حصہ چہارم۔ کا موضوع۔ درس نظامی، فضیلت حج، فضائل علم وعلماء، استحاق خلافت ہے یہ حصہ ۱۲۰ صفحات کو احاطہ کئے ہوئے ۱۳۲۸ھ میں۔ مطبع شمس الاسلام میں طبع ہوا تھا۔

حصہ پنجم۔ موضوع۔ حقیقت تصوف وخلافت، فضائل اہلبیت وخلفائے راشدین ہے۔ ۲۴۹ صفحات کے اس حصہ کا سن اشاعت ۱۳۳۷ھ ہے مفید دکن پریس میں طبع ہوا تھا۔

حصہ ششم۔ کا موضوع: عظمت سادات کرام، حقیقت شیعہ وخارجیت ہے۔ ۲۹۹ صفحات کی اس کتاب کی اشاعت ۱۳۳۲ھ میں ہوئی تھی۔ طبع شمس الاسلام نے کیا تھا۔

حصہ ہفتم۔ موضوع: اسلام اور ڈاکٹری، تخلیق انسان جدید سائنس کی روشنی میں، ڈراون کے نظریہ ارتقاء کا رد ہے ۱۸۴ صفحات کا یہ انوکھا حصہ ۱۳۳۲ھ میں محمود پریس میں واقع مدرسہ نظامیہ حیدرآباد میں طبع ہوا۔

حصہ ہشتم۔ موضع: تفسیر سورہ ناس، اللہ ورسول سے کامل محبت کے فیوض وبرکات، اصلاح معاشرہ، وعظمت وتصرف اولیاء اللہ۔ ۲۵۳ صفحات پر مشتمل اس حصہ کو ۱۳۳۴ھ میں قانونی پریس حیدرآباد دکن نے شائع کیا

تھا۔

حصہ نہم۔موضوع: معجزات تصرفات ،اختیارات ،تبرکات نبوی ،عطائے خداوندی ،تائید اہلسنت والجماعت ردمذاہب باطلہ ہے، ۳۰۷ صفحات کی اس کتاب کو حسین پریس حیدرآباد دکن نے شائع کیا تھا ۔ سن اشاعت ندارد۔

حصہ دہم ۔موضوع : حالات وآداب صحابہ کرام ،اطاعت رسول ﷺ ،حقیقت بیعت، ندائے یا محمد ﷺ ،سیرت النبی ﷺ ، پر مشتمل شمس الاسلام پریس حیدرآباد دکن نے ۱۶۸ صفحات پر جمع کرکے چھاپا تھا

حصہ یازدہم۔موضوع: عظمت رسول کریم بہ آیات قرآن حکیم ،مراسم عید میلاد النبی ﷺ ،فرق محب وغیر محب، علم طب، تشریح، اساریہ، اکتاف، قیافتہ، ریافہ، اختلاج، تجربات، حضرت شیخ الاسلام ہے ۳۰۷ صفحات کا یہ نسخہ ۱۳۳۹ھ میں شمس الاسلام پریس میں طبع ہوا تھا، ان کے علاوہ ''انوارالحق'' افسادتا لا فہام دوحصے علی الترتیب ۲۸۳ـ۲۷۴ـ۲۶۳ صفحات کی کتابیں ''ردقادیانیت'' کے موضوع پر ہیں۔

''انوارالحق'' میں آپ نے مرزا کی تردید کے علاوہ، وہابیت کا ابطال، ابہام اور اسکے اقسام پر نہایت شرح وبسط سے بحث کی ہے'' مرقع انوار، ص ۹۹

مذکورہ بالا کتابوں کے عنوانات کی روشنی میں شیخ الاسلام کا عقیدہ ومسلک کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ آپ اہل سنت وجماعت کے معتقد فرد تھے، جس عقیدہ پر علماء سابقین گامزن تھے اسی پر شیخ الاسلام نے بھی استقامت فرما کر اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے مسلک کو آگے بڑھایا'' فیصلہ ہفت مسئلہ'' کی تحریر کی روشنی میں اپنی تحریر کا ارتقاء فرمایا، محبت رسول ﷺ کو سینے سے لگایا، رسول کریم کو بے مثل وبے نظیر بتایا، معراج جسمانی پر قلم کی طاقت کو صرف کیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمت کو نظر میں رکھ کر ان کی مدحت میں قلم اٹھایا، لکھا اور خوب لکھا، صحابہ کرام کی اتباع کرتے ہوئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں صلاۃ وسلام پیش کرنے کا طریقہ بتایا، قیام تعظیمی کو جائز بتایا، توسل کو قرآن واحادیث سے ثابت کیا، بد مذہب اور گمراہ فرقے شیعہ مفوضہ، وہابیہ، کرّامیہ، جبّائیہ، قدریہ، اعتزالیہ، مرزائیہ وغیرہ کی پہچان کرا کر ان کی رد میں قلم کو حرکت دی اور صاف صاف لکھ دیا کہ'' نبی کریم ﷺ نے صاف فرمادیا کہ اس دین میں (۷۳) تہتر مذہب بنائے جائیں گے مگر وہ کُل مذاہب ناری ہیں اور ناجی ایک ہی مذہب ہے، کسی نے پوچھا وہ کون سا مذہب ہے فرمایا جس پر مَیں اور میرے صحابہ ہیں۔

كمـا فـي الـمشكوة عن عبدالله بن عمر وقال قال رسول الله ﷺ وتفترق امتي على

ثلاث وسبعين ملته كلهم في النارٍ الاملتهواحدة قالو امن مي يا رسول الله ﷺ قال ما انا عليه واصحابي ،رواه الترمزي وفي مفنا ه رواه احمد و او دائود، اس حدیث رسول ﷺ کے پیش کرنے کے بعد حضرت انواراللہ فاروقی مزید تحریر کرتے ہیں کہ اسی وجہ سے تابعین نے احادیث اور اقوال صحابہ کو محفوظ کرلیا تاکہ وہ ناجی مذہب ہاتھ سے جاتا نہ رہے اور ان کے بعد کے طبقات میں بھی ان کی پوری پوری حفاظت ہوتی گئی ہر چند اہل مذہب باطلہ نے بہت کچھ فکریں کیں کہ خیالات باطلہ کو دینی مسائل اور اعتقادات میں مخلوط کردیں، چنانچہ طلاقت لسانی سے کام لیا، بعض سلاطین کو اپنا ہم خیال بنا کر مسلمانوں پر دباؤ ڈالا، جعلسازیاں کیں مگر بفضلہ تعالیٰ ان کی کچھ نہ چل سکی، اور ان کے تراشیدہ خیالات دین میں ایسے ممتاز رہے، جیسے دودھ میں مکھی، جن کو مسلمانوں نے نکال کر پھینک دیا اور بفضلہ تعالیٰ وہی خالص دین ہم تک برابر پہنچ گیا، الحمد للہ علی ذالک۔ امام محمد انواراللہ فاروقی، حقیقتہ الفقہ حصہ دوم ص ۴۴ تا ۴۵، بحوالہ'' مرقع انوار'' ص ۱۱۰

حضرت انواراللہ فاروقی نے اپنی زندگی میں جن خطوط پر قلمی کام کا آغاز کرکے ارتقار کی منزل پر پہنچایا تھا اگر آپ کے خلفاء وتلامذہ، محبین ومعتقدین اور مریدین ان خطوط پر کام کرتے، شیخ الاسلام کے کام کو آگے بڑھاتے تو دوتین اختلافی مسائل کے باوجود بریلی اور حیدرآباد میں دوری پیدا نہیں ہوتی۔ کیوں کہ حق وصداقت، عشق ومحبت کے جس راستے پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا گامزن تھے، اسی راستے پر شیخ الاسلام انواراللہ فاروقی اور علامہ یوسف نبہانی بھی رواں دواں تھے، تینوں ہمعصر ہیں، تینوں کی باتوں میں مطابقت پائی جاتی ہیں، عشق رسول کا جام کسی یہاں پُر ہے تو کسی کے یہاں چھلک رہا ہے، دشمنان رسول کی گردنوں کے لئے کسی کی تلوار تیز ہے تو کسی کی بے نیام، ہندوستاں میں جنم لینے والے گستاخان رسول کی گردنوں میں انہیں کی گستاخیوں کی رسیوں کو ان کے گلے میں باندھ کر حرمین کے علماء کی بارگاہ میں لے جا کر ان سے فیصلہ چاہنے والے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان ہیں، گستاخانِ رسول کی گردنوں پر قلم کی تلوار چلانے میں شیخ الاسلام انواراللہ فاروقی کا شانہ عشاقوں کے شانوں سے ملا ہوا تھا جوان کی کتابوں سے ظاہر ہے۔

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی کے عشق کا ستارا کس بلندی پر ہے اس کو سمجھنے کے لئے اس واقعہ کو دیکھئے اسلام اور دیگر ادیان کے تقابل اور عیسائیت کے رد میں آپ نے '' القصیدۃ الرائیۃ'' تحریر کیا جو سات سو پچاس اشعار پر مشتمل ہے۔ سنّت کی تعریف اور بدعت اور اہل بدعت کی مذمت میں پانچ سو

اشعار منظوم فرمائے جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں ان قصائد کو آڑ بنا کر آپ کو ۱۳۳۰ھ مدینہ منورہ میں ایک ہفتہ نظر بند کر دیا گیا۔ علامہ نبہانی کے ہم عصر علماء و مشائخ سے گہرے مراسم تھے چند علماء نے آپ سے ملاقات کر کے رہائی کی اپیل کی اجازت چاہی علامہ نبہانی اس وقت بڑا ہی ایمان افروز جواب دیا اور کہا اپیل کرنا منظور ہے تو سلطان وقت کی بجائے سلطان کونین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں استغاثہ کریں ''مرقع انوار'' ص ۹۳۱

گستاخان رسول ﷺ ایسے خیالات کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں ایسے خیالات والوں کے تعلق سے شیخ الاسلام علامہ فاروقی نے تحریر فرمایا کہ ان کے تراشیدہ خیالات دین میں ایسے ممتاز رہے، جیسے دودھ میں مکھی، جن کو مسلمانوں نے نکال کر پھینک دیا، اور اس تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اپنے وصا میں لکھوایا کہ، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ کا ادنیٰ گستاخ اگر تمہارا اپنا کیوں نہ ہو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، کہ مکھی میں دودھ نہیں ہے، دودھ میں مکھی ہے، اسی طرح کسی کی ڈاڑھی اور ٹوپی میں اسلام نہیں ہے، اسلام میں ڈاڑھی اور ٹوپی ہے، اسلام کے اندر گمراہی نہیں ہے نہ گمراہوں میں اسلام۔ صحابہ کرام، تا تابعین، ائمہ مجتہدین، اور علماء حق اسی نظریہ پر قائم تھے، آج کے دور کے کچھ اندھیری راہ کے مسافروں کو، ون کے اندھے کی طرح کچھ لوگوں کی ڈاڑھی میں اسلام نظر آتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ''مرقع انوار'' مثل آئینہ ہے۔ اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھیں۔ مولانا انوار اللہ فاروقی کی کتابوں کو اپنے امراض قلبی کی د سمجھ کر پڑھیں۔ امراض کی تشخیص طبیبوں نے بہت پہلے کر دی تھی، لیکن ان طبیبوں کو ضدی، ہٹ دھرم، ا پرست تند مزاج، گروہ بندی اور فرقہ بندی کا موجد و قائل کہہ کر اپنی آنکھوں پر تعصب و تنگ نظری کے پردے ڈال لئے گئے، مریض کے مرض پر نشتر چلایا گیا، مرہم لگایا، دوا پلائی گئی کہ تم مریض ہو لیکن مریض چیختا رہا، چلاتا رہا کہ میں مریض نہیں ہوں، اپنی صفائی میں کتابیں بھی لکھتا رہا، جلسے کرتا رہا، شور و غوغا مچ کرتا رہا کہ مریض نہیں ہوں اور حقیقت میں وہ مریض ہی تھا اور ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے لئے باب نبوت کھولا، ناپاک و نجس خیالات کی خود ساختہ نبوت کی دہلیز سے تشہیر کی، لوگ اس کے دام فریب میں آئے گمراہ ہوئے، ایمان والا سے بے ایمان ہو مسلمان سے کافر و مرتد بنے۔ سوچنا اور دیکھنا یہ ہے کہ مرزا کو آخر شہ کہاں سے ملی، باب نبوت کھولنے عندیہ کہاں سے ملا؟ کہ کہہ اٹھا میں نبی اور رسول ہوں، لیجئے مرقع انوار، حقیقت کا پتا بتاتا ہے۔ حقیقت کو ج رت کے ساتھ لکھنے والے مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری ''مدیر اعلیٰ ماہنامہ'' صوفی اعظم تحریر

تے ہیں کہ یہاں اس بات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مبانی مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے اپنی ایک تصنیف ''تحذیر الناس'' میں حضور کے شرف خاتم النبیین کی عجیب و غریب تاویل کی جس کے باعث تحریک قادنیت کو نیا حوصلہ ملا اور مرزائی عقیدہ کو فروغ بلکہ استحکام حاصل ہو گیا ص ۴۳۳ مرقع انوار۔

بات واضح ہوگئی کہ اگر کوئی شخص سوال کرے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو باب نبوت کھولنے کا اشارہ کس نے دیا؟ جواب ہوگا۔ مولوی قاسم نانوتوی، مرقع انوار، کے مطالعہ سے مولوی قاسم نانوتوی، سرسید احمد خان، مولوی شبلی نعمانی کے عقیدے کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے اور شیخ الاسلام کے عقیدے کے بھی۔ شیخ الاسلام کے ہاتھوں میں شریعت کی رسی بھی ہے، طریقت کی ڈوری بھی ہے۔ عشق رسول کے پھول بھی ہیں، محبت کے جام بھی، آپ نے انا ارسلنك شاهدا و مبشرا و نذيرا کی تفسیر و تشریح میں جو کچھ لکھا ہے پڑھئے تو ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ لتؤمنوا بالله و رسوله۔ کی تفسیر ادب کے دائرے میں لاتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ، اس آیت شریفہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ کو شاهد بنا کر بھیجا۔ یعنی اپنی امت پر اور جمیع انبیا کے کاموں پر گواہی دینے والے اور فرمایا کہ آپ اہل ایمان کو خوش خبری دینے والے اور بے ایمانوں کو ڈرانے والے ہیں، یہاں تک تو حضرت کی طرف خطاب تھا اس کے بعد مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے ان کو اس واسطے بھیجا ہے کہ تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام ان کی پاکی بیان کرتے رہو۔ الخ مرقع انوار ص ۳۲۶

حضرت انوار اللہ فاروقی کے عشق کا باغ گھنا، ہرا بھرا اور بڑھاؤ پر ہے، جس کے گرد کچھ دوست نما دشمنوں کی پہریداری ہونے کی وجہ سے عشاق بھی مشکوک ہو جاتے ہیں کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ جس نے عشق کی راہ اختیار کی، لوگوں کو عشق کی راہ پر بلایا، محبت رسول ﷺ میں زندگی کے لمحوں کو لگایا اور کہہ اٹھا کہ

کی صدق دل سے جس نے اطاعت رسول کی
عالم میں اس کی کرتا ہے توقیر ایک ایک
طیبہ کی سرزمین کی مہوس کو قدر کیا
خاشاک و خاک واں کی ہے اکسیر ایک ایک

جس نے ''شمیم الانوار'' اور ''کلام انوار'' کا منظوم تحفہ چھوڑا عشق اور عشاق کا حال بتانے لگا تو کہہ اٹھا

زندگی سولی پہ منصور نے کاٹی الحق

اہلِ تحقیق کو ہے دارِاماں دار کے پاس

اور یہ بھی کہہ دیا کہ۔

سرِتسلیم جن کا طاقِ ابرو میں ہے خم انور

سرِسجدہ کو وہ غرقِ نمِ تشویر رکھتے ہیں

عشق رسول ﷺ کے اس بلبل کی صدا کو پھیلنے کیوں نہیں دیتے؟

میں ممنون و مشکور ہوں جناب ڈاکٹر پروفیسر کے عبدالحمید اکبر صاحب کا کہ ۲۲رجولائی ۲۰۰۸ء منگل کے دن ان کے دولت کدہ پر ان سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا، ڈاکٹر صاحب نے ''مرقعِ انوار'' کا ایک نسخہ دے کر فرمایا کہ اس کتاب پر آپ تبصرہ لکھ دیجئے، ڈاکٹر صاحب نے اس ناچیز کو اس لائق سمجھا۔ بہتر ہے کہ قارئین اس کتاب کو خرید کر پڑھیں اور لطف اٹھائیں عمل کی باتوں پر عمل کریں۔

❁❁❁❁❁❁

دو دن شیخ الاسلام کے شہر میں

موبائیل فون کے اس دور میں لوگ ایک دوسرے کی خیریت آسانی سے معلوم کر لیتے، خوشی کے موقع پر مبارکبادیاں اور غم والم کے وقت تسلیاں دیتے اور تعزیت کر لیتے ہیں، وقت پر مقصد بتا دیتے اور منشا پوچھ لیتے ہیں، اسی طرح سے ۲۷رجولائی ۲۰۰۹ء کی شب میں تقریباً گیارہ بجے مولانا احمد حسن رضوی صاحب ،خطیب وامام عثمانیہ مسجد، ومہتمم دارالعلوم غریب نواز نے حیدرآباد سے فون کیا، خیریت دریافت کی بعدہٗ فرمایا کہ حیدرآباد آجایئے، کیوں کس لئے؟ حضرت مفتی حسن منظر قدیری کشن گنج (بہار) اور مولانا مسعود رضا قادری مہتمم الجامعۃ الرضویہ، رضانگر، کلیان کو بھی فون کیا تھا، حیدرآباد آنے کی دعوت دی ہے، ان لوگوں نے یہاں آنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہیں، آپ بھی آجایئے، دوچار تاریخی مقامات دیکھ لیجئے گا، میں نے کہہ دیا آجاؤں گا۔

مولانا مسعود رضا قادری ہمارے رہنما بنے اور حسین ساگر اکسپریس سے ۳۰رجولائی ۲۰۰۹ء کا ٹکٹ تتکال کوٹہ سے لے آئے، ۳۰رتاریخ کا دن ختم ہوا، شام ہوئی، رات اپنی منزل کی جانب آہستہ آہستہ قدم بڑھانے لگی، مولانا مسعود رضا کے فون پر ماہنامہ ''بطحاء'' کے مدیر کا فون آیا، اسٹیشن کے لئے نکل گئے ہیں؟ ابھی نکلا نہیں ہوں، نکلنے والا ہوں، ہم لوگ کلیان اسٹیشن پہنچے ۴۵۔۱۰ر بجے گاڑی کے آنے کا وقت تھا، دس منٹ تاخیر سے آئی، ہم لوگ گاڑی کے اندر بیٹھ گئے، مولانا کا پھر فون آیا، گاڑی میں بیٹھ گئے؟ ہاں بیٹھ گیا، ہم تینوں آدمی پہلی مرتبہ حیدرآباد جا رہے تھے، رات گذری، صبح ہوئی، دن چڑھا، ۸ر بجے کے قریب گاڑی گلبرگہ شریف پہنچی، صاحبزادہ مولانا محمد کاشف رضا شاد مصباحی، صدر مدرس دارالعلوم رضائے مصطفٰے، حامد رضا ایم، اے کاریگر کے ساتھ اسٹیشن پر موجود تھے، ۵ر۷ منٹ کے بعد گاڑی کھل گئی، واڑی جنکشن کے بعد مولانا احمد حسن صاحب کا فون آیا کہاں پہنچے، مولانا مسعود کہنے لگے پیچھے کونسا اسٹیشن تھا؟ میں کہا...سیڈم..... باغ وبہار طبیعت کے مالک مفتی منظر صاحب کہنے لگے یہ.... میڈم...... کے

وزن پر ہے، میں نے کہاں حضور.....میڈم......کا ہم قافیہ ہے، ہم تینوں کے لبوں پر ہنسی! آزو بازو بیٹھے ہوئے لوگوں میں کوئی اتار چڑھاؤں پیدا نہیں ہوا کہ شاید وہ لوگ ہماری گفتگو کی گہرائی تک نہیں اتر سکے۔

بیگم پیٹ اسٹیشن سے پہلے میں نے مولانا کو فون کیا کہ ہم لوگ کس اسٹیشن پر اتریں؟ جہاں سے ہم لوگوں کو آنے میں سہولت ہوگی، مولانا نے کہا آخری اسٹیشن حیدرآباد اتریئے، ہم لوگ حیدرآباد اسٹیشن پر اتر گئے، پلیٹ فارم سے باہر آئے ٹیکسی والے سے کہا ''نلہ گنٹہ'' چلو گے؟ ہاں چلیں گے، کتنا کرایہ لوگے، اس نے کہا، ون سونٹی فائف، رکشا والے سے کہا اس نے کہا ساٹھ روپے لونگا، مولانا مسعود نے احمد حسن صاحب کو فون لگایا مولانا بولے دو آدمی کو اسٹیشن بھیجا ہوں وہ ملے نہیں؟ مولانا مسعود نے کہا نہیں ملے، رکشا والا ساٹھ روپے مانگ رہا ہے۔ موصوف بولے رکشا پکڑ کر آجایئے، ہم لوگ رکشا پکڑ کر جب کچھ دور آگے نکل گئے تو ان دونوں میں سے ایک صاحب نے فون کیا کہ آپ لوگ کہاں پر ہیں، مولانا مسعود نے تفصیل بتادی، کچھ دور چلنے کے بعد پھر فون آیا آپ حضرات کس روڈ سے جارہے ہیں؟ نلہ گنٹہ والے روڈ سے! وہ لوگ بائیک سے تھے، آگے آکر مل گئے، دونوں دارالعلوم غریب نواز کے استاد تھے، ایک مولانا صاحب ایک ماسٹر صاحب! مولانا صاحب ہماری رہنمائی کے لئے رکشا میں بیٹھے اور ماسٹر صاحب بائیک سے چلے، ٹھیک ایک بجے ہم لوگ ''مسجد عثمانیہ'' کے گیٹ پر پہنچے، مولانا احمد حسن رضوی صاحب مکمل امام بنے ہوئے یعنی عبا زیب تن کئے اور عمامہ باندھے ہوئے مسجد سے باہر نکل آئے، ہم لوگوں کو لے کر ماہنامہ ''بطحاء'' کے آفس میں آگئے، ہم لوگ ابھی کرسی پر بیٹھے ہی تھے کہ موصوف نے مجھ سے کہا کہ جلدی سے وضو کیجئے اور چلئے تقریر آپ کو کرنی ہے، میں نے مفتی صاحب قبلہ کی طرف اشارہ کیا، موصوف بولے دونوں میں سے کوئی آدمی چلئے لیکن آپ ہی چلئے مفتی صاحب ابھی غسل فرمائیں گے، وضو کرنے کے بعد جب میں مسجد میں داخل ہوا اور چاہا سنت پڑھ لوں تو مولانا موصوف نے فرمایا کہ تقریر کے لئے آیئے، تقریر کے بعد پانچ منٹ کا وقت سنّت پڑھنے کے لئے دیا جاتا ہے، چلئے صاحب ٹھیک ہے، میں تقریر کے لئے کھڑا ہو گیا، خطبہ کے بعد میں نے اعلیٰحضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نعت پاک کے تین اشعار پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

رُخ دن ہے یا مہرِ سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں — شب زلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں — حیران ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
ڈر تھا کہ عصیاں کی سزا اب ہوگی یا روزِ جزا — دی ان کی رحمت نے صدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ان میں سے پہلے شعر کی تشریح میں نے اس طرح کی کہ اعلیٰحضرت کہتے ہیں کہ ''میرے آقا ﷺ کا چہرہ دن کی مانند روشن ہے یا آسمان کے سورج کی طرح! یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں، یعنی ان سے بھی بڑھ کر منور و درخشاں ہے، آپ ﷺ کی زلف رات کی طرح کالی ہے یا مشکِ ختا کی طرح خوشبودار ہے! یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں، یعنی ان سے بھی بڑھ کر کالی اور خوشبودار ہے'' مذکورہ شعر کا ترجمہ اسی طرح سے مولانا صوفی محمد اوّل قادری رضوی نے کیا ہے، موصوف کا ترجمہ ذیل میں لکھ رہا ہوں۔

رخ: چہرہ۔ مہر: سورج۔ سما: آسماں۔ شب: رات۔ زلف: کاکل، گیسو، لٹ۔ مشک: کستوری۔ ختا: وسط ایشیا میں ایک جگہ کا نام وہاں کی مشک بہت بہتر ہوتی ہے۔

مطلب اشعار: حضور ﷺ کا چہرہ مبارک دن کی طرح ہے یا آسمان کے سورج کی مثل منور تاباں ہے نہیں حقیقت یہ کہ دن اور سورج کی مثال آپ کے روئے انور پر صادق نہیں آتی کیونکہ دن اور سورج نے رخ مصطفےٰ ﷺ سے روشنی و نورانیت حاصل کی ہے تو آپ کا چہرہ دن بھی نہیں وہ بھی یعنی سورج بھی نہیں، دونوں سے زیادہ ضیاپاش و نورانی ہے اور آپ کی کاکل رات کی سیاہ یا ختن کے مشک کی مثل سیاہ و خوشبودار ہیں، رات نے تاریکی اور مشک نے خوشبو آپ کے گیسوئے پاک سے پائی ہے تو آپ کی زلف کو شب اور مشک سے تشبیہ دینا درست نہیں ہے (سخنِ رضا مطلب ہائے حدائق بخشش، مولانا محمد اوّل قادری رضوی سنبھلی)

۱ربجکر ۵۰رمنٹ پر میری تقریر ختم ہوئی، پانچ منٹ سنّت ادا کرنے کے لئے وقفہ دیا گیا، اس کے بعد مسجد کا ڈبہ گھمایا گیا، پھر خطبہ شروع ہوا مولانا موصوف نے نماز پڑھائی، دعائے ثانی کے بعد ''مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' پڑھا گیا، اس کے بعد دعا ہوئی، لوگ مصافحہ کرتے ہوئے مسجد سے نکلتے چلے گئے'' مسجد عثمانیہ'' دو منزلہ خوبصورت عمارت ہے، جس کے امام مولانا حافظ احمد حسن رضوی ہیں، مسجد کے دائیں بائیں چند کمرے ہیں جسے مولانا موصوف نے مسجد کے متولی اور دیگر اراکین سے ۹۰رسال کے معاہدے کے تحت کرایہ پر لے لیا ہے، یہی کمرے ''دارالعلوم غریب نواز'' کے طلباء کی اقامت گاہ ہیں، ایک کمرہ میں ماہنامہ ''بطحاء'' کا آفس ہے، یہاں حفظ و قرأت کے علاوہ خامسہ جماعت تک کی پڑھائی ہوتی ہے، تقریباً ۷۰رطلباء کے طعام و قیام اور ۷رمدرسین کے قیام و طعام و تنخواہ کا انتظام مولانا موصوف کے ذمہ ہیں، آپ ہی دارالعلوم کے مہتمم بھی ہیں، ماہنامہ ''بطحاء'' کے بانی و مدیر بھی، جمعہ کی نماز کے بعد امام صاحب مجھے بطحاء کے آفس میں لے آئے، وہاں مفتی صاحب قبلہ اور مولانا مسعود رضا قادری پہلے سے براجمان تھے، آفس

میں ایک طرف الماری میں مختلف عناوین پر مشتمل کتابیں سجی ہوئی تھیں ،ایک طرف لوہے کی الماری میں امام صاحب کی ضروریات کی چیزیں اور غالبًا کاغذات وغیرہ تھے،اس کی چابی امام صاحب کے پاس رہتی ہے،ایک طرف انٹرنیٹ کے ساتھ کمپیوٹر رکھا ہوا تھا یہ کمپیوٹر ''اردو اکیڈمی ،آندھرا پردیش'' کی جانب سے مدرسہ کو عنایت کی گئی ہے،درمیان میں ایک خوبصورت ٹیبل کے اوپر کانچ کے نیچے کچھ ضروری کاغذات کانچ کے اوپر ماہنامہ ''بطحاء'' کے مختلف شمارے رکھے ہوئے تھے،تھوری دیر بیٹھنے کے بعد ہم لوگوں کو مدرسہ کی دوسری منزل پر پہنچایا گیا یہاں پر ہم لوگوں کے قیام کا انتظام تھا،کچھ دیر کے بعد امام صاحب مسجد سے ملحق اپنے مکان پر کھانا کھانے کے لئے لے گئے ،عمدہ کھانا کھلانے کے بعد ہم لوگوں کو اپنے قیام گاہ پر واپس لائے ،نماز عصر کے بعد جب ہم لوگ ''بطحاء'' کے آفس میں آئے تو مولانا محمد عرفان محی الدین ،ریسرچ اسکالر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد سے ملاقات ہوئی ،موصوف کہنے لگے کہ ہندوستان میں اعلیٰ حضرت کی محبت کا دم بھرنے والے علماء اور اعلیٰ حضرت کے نام سے منسوب اشاعتی اداروں میں سے کسی کی جانب سے مجھے کچھ بھی مدد نہیں ملی ، مدد تو دور کی بات ہے ایک صفحہ کا کوئی مضمون یا خط کا جواب بھی کسی طرف سے نہیں ملا،جو کچھ ملا پاکستان سے ملا اور وہ چیزیں ملی ہیں کہ یہاں کے عالموں کے پاس بھی نہیں ہوں گی۔

موصوف کی طرح گلہ کرنے والے اور کئی لوگ ہیں اور یہ گلہ حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت کے نام پر ڈھول پیٹ کر روٹی کھانے اور پیٹ بھرنے والے تو بہت ہیں مگر علمی معاونت کرنے سے جان چھڑاتے ہیں،آخر کیوں؟ کیا اس عمل سے ان کا علم گھٹ جائے گا،یا شان گھٹ جائے گی ،یا ان کے بڑ کپن میں کمی آجائے گی؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

بحر حال عرفان صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ آپ نے ''اعلیٰ حضرت کی حدیثی حواشی کا تحقیقی جائزہ'' کے عنوان سے ایم فل کی سند حاصل کرلی ہے اور پی ایچ ،ڈی کے داخلہ کے لئے درخواست داخل کئے ہوئے ہیں،انشاءاللہ تعالیٰ یہاں بھی کامیابی ہوگی۔

مولانا احمد حسن صاحب بھی لائق تقلید ہیں کہ آپ مسجد کے امام ،مدرسہ کے مہتمم ،ماہنامہ ''بطحاء'' کے مدیر کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے ''اردو کی ترقی میں حیدر آباد میں دینی مدرسوں کا آزادی کے بعد حصہ'' کے عنوان سے ''حیدر آباد یونی ورسٹی ، سے ایم فل کرچکے ہیں اور ''اعلیٰحضرت کے اشعار میں عقائد اہلسنت کا انعکاس'' کے عنوان سے پی ایچ ،ڈی کے لئے مذکورہ یونیورسٹی میں درخواست داخل کئے ہوئے ہیں اللہ

تعالیٰ موصوف کو کامیابی عطا فرمائے آمین

اس ادارہ کے جواں سال عالم دین مولانا محمد شمیم القادری جو مفتی بھی ہیں ،فتاویٰ نویسی کا کام بھی انجام دیتے ہیں،آپ موصوف کے لکھے ہوئے فتاوے ماہنامہ ''بطحاء'' میں شائع ہوتے ہیں،ہماری اکثر محفلوں میں ساتھ رہے۔

ایک علمی گفتگو

یکم راگست ۲۰۰۹ء سنیچر کی صبح جب ہم لوگوں کی محفل جمی ہوئی تھی تو مفتی حسن منظر صاحب قبلہ فرمانے لگے کہ ماہنامہ ''بطحاء'' میں ایک مضمون دیکھا ہے،اس مضمون میں اعلی حضرت کے اشعار میں تشبیہ تلاش کی گئی ہے جبکہ اعلیٰ حضرت کے مجموعۂ کلام ''حدائق بخشش'' کے کسی بھی شعر میں تشبیہ نہیں ہے،یہ سن کر میں ہکا بکا رہ گیا،میں نے کہا حضور تشبیہ کا ایک بھی شعر نہیں ہے؟ کہا کہ نہیں ہے جو کچھ ہے وہ استعارہ ہے ،موصوف کہنے لگے ۔

رخ دن ہے یا مہرِ سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں   شب زلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

بتائیے اس میں تشبیہ ہے؟ تشبیہ کے کیا شرائط ہیں؟مشبّہ ،مشبّہ بہٖ،وجہ تشبیہ،حرف تشبیہ......اس شعر میں کون مشبّہ ہے،کون مشبّہ بہٖ،کون حرف تشبیہ ہے اور کون وجہ تشبیہ؟ میں نے کہا کہ جناب والا اعلیٰ حضرت کے کلام میں مَیں نے تشبیہ پر غور تو نہیں کیا ہے لیکن پی ایچ ،ڈی،کرنے والے حضرات نے بھی اعلیٰ حضرت کے اشعار بطور تشبیہ کے پیش کئے ہیں،محترم نے کہا پیش کئے ہیں تو غلط کئے ہیں،اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

حدائقِ بخشش (حصہ اوّل)

پہلے مصرع کو بار بار پڑھئے ،وہ قد نادر ہے اس کی مثال نہیں ہے کہ مثال دی جائے ،اور اس شعر پر بھی غور کیجئے۔

لَمۡ یَاتِ نَظِیۡرُ کَ فِیۡ نَظَر مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

حدائقِ بخشش (حصہ اوّل)

اس کی نظیر کہاں ہے جو پیش کی جائے۔

حیدرآباد سے واپسی کے بعد ۴/اگست ۲۰۰۹ء کو ماہنامہ ''بطحاء'' شمارہ اگست ۲۰۰۹ء میں شائع شدہ پروفیسر ضیغم شمروی کا مضمون ''اعلیٰحضرت کی فنی عظمت'' کا مطالعہ کیا، موصوف نے اعلیٰ حضرت کے ''حدائقِ بخشش'' سے تشبیہ کے ضمن میں مندرجہ ذیل چار اشعار پیش کئے ہیں۔

ہے جلوہ گر نورِ الٰہی وہ رُو　قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو
تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا　صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

سرتا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول　لب پھول دہن پھول ذقن پھول
دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا　اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول

ان میں سے پہلا شعر میں مجھے تشبیہ ملی، شام کے ۶/بجے میں مولانا مسعود رضا قادری، مہتمم دارالعلوم رضویہ کو فون کیا کہ مفتی صاحب قبلہ کہاں ہیں؟ یہاں دارالعلوم میں ہی جلوہ گر ہیں، میں نے کہا اس طرف لے کر آئیے کچھ گفتگو ہوجائے گی اور چہل قدمی بھی، موصوف نے حافظ شاہد کے ساتھ مفتی صاحب کو پہلے پتری پُل جامع مسجد میں بھیج دیا اور خود مولانا جہانگیر اشرف کے ساتھ بعد میں آئے۔

مفتی صاحب سے میں نے کہا یہ دیکھئے ڈاکٹر سراج احمد بستوی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ ''مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری ایک تحقیقی مطالعہ'' میں تشبیہ کے اشعار پیش کئے ہیں، مفتی صاحب نے فرمایا پڑھئے۔

سرتا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول　لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
جا بجا پرتو فگن ہیں آسماں پر ایڑیاں　دن کو ہیں خورشید شب کو ماہ واختر ایڑیاں

مسکرا کر فرمانے لگے ان اشعار میں تشبیہ نہیں ہے آپ نے غور نہیں کیا کہ اس میں کونسا لفظ مشبّہ ہے اور کونسا مشبّہ بہٖ، کونسا وجہ تشبیہ ہے اور کون حرفِ تشبیہ؟ اگر یہ سب چیزیں نہیں ہیں تو تشبیہ بھی نہیں ہے، ایک ماہر وکیل کی طرح موصوف تشبیہ کے اجزاء پر ڈٹے رہے اپنے پوائنٹ سے ہٹتے نہیں تھے، میں نے کہا اسکالروں نے ان اشعار کو تشبیہ کے زمرے میں شامل کیا ہے، موصوف نے کہاں کرنے دیجئے لیکن ان میں تشبیہ نہیں ہے، جس کو ماننا ہے مانے نہیں ماننا ہے تو میں گلا دبا کر تھوڑے ہی منواؤں گا۔

اچھا یہ دیکھئے ماہنامہ بطحاء میں تشبیہ کے ضمن میں جو اشعار شائع ہوئے ہیں، ان میں سے ایک شعر میں تشبیہ پائی جاتی ہے، موصوف بولے کونسا شعر ہے؟ میں نے کہا۔

ہے جلوہ گر نورِ الٰہی وہ رُو ☆ قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو

دیکھئے میں نے کہا تھا کہ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ اشعار میں تشبیہ کے اشعار نہیں ہیں، جو شعر آپ بتا رہے ہیں یہ رباعی کا شعر ہے، ۷۰/ سال کی عمر میں بھی جوانوں کے جیسا ذہن کہ شعر کو دیکھتے ہی کہہ رہے ہیں کہ یہ رباعی کا شعر ہے، ہاں اس میں تشبیہ کے اجزا پائے جاتے ہیں، ماہنامہ بطحاء کے اسی شمارے میں پروفیسر کے عبدالحمید اکبر کا ایک مضمون بعنوان ''اردو نعتیہ شاعری میں حضرت شائق حیدرآبادی کا مقام'' شائع ہوا ہے، موصوف نے بھی تشبیہ کے تحت حضرت شائق کا ایک شعر پیش کیا ہے۔

آنکھیں آہو کمان ابرو ☆ بانکا سردار کملی والا

میں نے کہا اس شعر کو دیکھئے اس میں تشبیہ ہے؟ مفتی صاحب کہنے لگے اس میں بھی تشبیہ نہیں ہے کہ تشبیہ کے اجزا نہیں پائے جاتے ہیں، مفتی حسن منظر قدیری کی باتوں سے میں اتفاق کرتا ہوں، آگے ناقدین کے لئے راستے کھلے ہوئے ہیں، اسی گفتگو کے دوران ''حدائقِ بخشش'' کا وہ مجموعہ جس پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کی تقدیم ہے سامنے رکھا ہوا تھا محترم اس نسخہ کو دیکھنے لگے صفحہ ۱۴/ پر ایک سرخی ہے ''چند اشعار کی تشریح'' کے تحت سب سے پہلے مندرجہ ذیل شعر کی تشریح اس طرح سے ہے۔

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیران ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

یہ شعر بہت سے اہل علم کے درمیان موضوع بحث بنا ہوا ہے، وطن مالوف مبارکپور حاضر ہوا تو مولانا ظفر ادیبی صاحب اس شعر پر تنقید کرتے نظر آئے، پاکستان کے سفر سے واپسی میں مولانا ارشد القادری صاحب نے ہمیں بتایا کہ وہاں پر آں موصوف کو معترضین کا سامنا کرنا پڑا، اس لئے امام اہل سنّت کے اس نازک ترین شعر کی حسب استطاعت تشریح کی جاتی ہے۔

معترضین کی نظر میں اس شعر کا مفہوم یہ ہے:

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال قدرت کو دیکھتے ہوئے آپ کو ممکن کہنا، آپ کی عبدیت کی شان والا کو دیکھتے ہوئے آپ کو واجب کہنا دُرست نہیں ہے، اور اعتراض یہ ہے کہ شاعر نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے امکان و وجوب دونوں کی نفی کر دی ہے، یہ بھی نہیں، واجب نہیں، وہ بھی

نہیں، ممکن نہیں، جو سراسر عقیدۂ اہل سنّت کے خلاف ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ دَراصل یہ قطعہ بند شعر ہے اس کو دوسرے شعر کے ساتھ پڑھ کر مفہوم سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے، شعر یہ ہے۔

حق یہ کہ عبداللہ اور عالم امکاں کے شاہ　　　برزخ ہیں وہ سرِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مفتی حسن منظر قدیری صاحب کہتے ہیں کہ یہ شعر قطعہ بند نہیں ہے، پہلے شعر میں نفی ہوتی تو شعر قطعہ بند ہوتا لیکن نفی کہاں ہے؟ اپنی حیرانی ظاہر کر کے اعلیٰ حضرت اپنی خطا کا اظہار کر رہے ہیں اور خطا کو نفی کے معنی میں استعمال نہیں کر سکتے، بحر حال اہل علم اور ناقدوں کے لئے راستے کھلے ہوئے ہیں۔

مکہ مسجد کی زیارت

آیئے اب چلتے ہیں پھر حیدرآباد کی جانب یکم اگست ۲۰۰۹ء کو ہم لوگ ناشتہ وغیرہ کرنے کے بعد مکہ مسجد دیکھنے جانے کی تیاری کرنے لگے، مولانا احمد حسن قادری بار بار فون لگا رہے تھے لیکن موصوف جن کو فون لگا رہے تھے وہ صاحب فون اٹھاتے نہیں تھے، آخر تھک ہار کر کہا کہ چلئے رکشا سے چلتے ہیں یہاں ابھی لوگوں میں نوابی خو بو باقی ہے، کیا ہوا؟ موصوف نے کہا کہ ایک گاڑی والے صاحب کو فون لگا رہا ہوں لیکن وہ اٹھاتے نہیں ہیں لگتا ہے کہ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں، مولانا احمد حسن قادری کی رہنمائی میں ہم لوگ روانہ ہوئے ایک رکشا میں ہم چار آدمی چار مینار کی جانب روانہ ہوئے، تھوڑی دیر کے بعد چار مینار ہم لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تھا، رکشا سے باہر آئے اور سر اٹھا اٹھا کر ہم سب چار مینار کو دیکھنے لگے، خواہش تھی کہ اوپر چڑھ کر سیر کرلیا جائے، لیکن ہمارے رہنما کہنے لگے چلئے پہلے مکہ مسجد کی زیارت کر لی جائے، کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہم تین اپنے رہنما کی رہنمائی میں آگے بڑھتے رہے، ہمارے رہنما کی طرح یہاں پر پیشہ ور رہنما بھی تھے جن کی رہنمائی میں لوگ ان کے پیچھے پیچھے با مؤدب چل رہے تھے، یہاں کی طرح تاج محل، قطب مینار، لال قلعہ، بھول بھولیاں اور دوسری تاریخی جگہوں اور عمارتوں کے دیکھنے والے کرایہ پر رہنما لیتے ہیں، ان کی خوشی میں سیاح اپنی خوشی سمجھتے ہیں، ان کی کسی بات یا کسی ادا پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا ہے، ان میں ہندو مسلم سبھی شامل ہوتے ہیں، لیکن انہیں لوگوں کو جب ان کے مذہبی و دینی رہنما آواز دیتے ہیں تو ان کی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں، نہیں اپنے دینی رہنما کے پیچھے چلنے کو تیار ہوتے ہیں، بہت جھنجھورنے پر اگر بیدار بھی ہوتے ہیں تو غرا کر دیکھتے ہیں اگر سینے پر پتھر رکھ کر چلنے کو

تیار بھی ہوتے ہیں تو باغیوں کی طرح، دس آدمی اگر پیچھے پیچھے چلتے بھی ہیں تو ظالموں کی طرح، اقتدا کرتے بھی ہیں تو ناقدوں کی مثل، رہنماؤں کی نظریں اٹھتی بھی ہے تو آقاؤں کی طرح، کہنے کے لئے تو یہ مذہب سے محبت کرتے ہیں لیکن مذہبی احکام سے نہیں، آخر ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیا قول وفعل کا تضاد دکھا کر سیاسی رہنما بننا چاہتے ہیں؟

ہم لوگ مکہ مسجد میں داخل ہوئے، حوض کے چند قدم کے فاصلے پر تقریباً دس فٹ کی لمبائی میں ۵ سے ۶ ر چوڑا پتھر لگا ہوا ہے، ہمارے رہنما نے بتایا کہ دہشت گردوں نے یوم جمعہ کو ٹیفن بکس میں بم رکھ کر اسی کے نیچے رکھ دیا تھا اور جب بم پھٹا تو یہ پتھر ٹوٹ گیا تھا جو بطور نشانی کے اسی جگہ پتھر کے اوپر ٹوٹا ہوا حصہ رکھ دیا گیا ہے، مسکرا کر فرمانے لگے آپ لوگ اس پتھر پر بیٹھ جائے، کیوں؟ کہنے لگے لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص اس پتھر پر بیٹھ جاتا ہے وہ دوبارہ حیدرآباد ضرور آتا ہے، مفتی حسن منظر قدیری صاحب نے یہ سن کر تبسم فرمایا، کہنے لگے میرا کیا ہوگا، اشارہ تھا کہ آپ لوگ تو حیدرآباد سے قریب رہتے ہیں اور میں بہت دور رہتا ہوں اور عمر کی ستر بہاریں دیکھ چکا ہوں، میں نے کہا کہ بیٹھئے اس پتھر میں ایسی خاصیت ہے تو دور و نزدیک سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، خواب تو دیکھ لیا یا دکھا دیا گیا ہے، تعبیر کیا نکلتی ہے یہ تو وقت بتائے گا، مسجد کے وسیع وعریض صحن کے آگے کی جانب بڑھنے لگے اب حدود حرم قریب ہے لیکن حرم کا حصہ بند تھا، صحن میں ایک قدرے اونچا منبر نظر آیا مفتی صاحب نے کہا یہاں منبر؟ ہمارے رہنما مولانا احمد حسن صاحب گویا ہوئے، یہ منبر اس لئے ہے کہ مسجد میں جب کوئی پروگرام منعقد کیا جاتا ہے تو خطیب یا مقرر اسی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطاب کرتے ہیں، اس کھلے ہوئے صحن میں گرمی کے موسم میں لوگ نماز کس طرح سے پڑھتے ہیں؟ رہنما صاحب نے کہا گرمی کے موسم میں اوپر شامیانہ باندھ دیا جاتا ہے، حرم کے بند حصہ کی زیارت جالی کی سوراخوں سے کرنے کو ملی، مولانا احمد حسن رضوی نے دکھایا کہ دیکھئے! حرم کی سامنے والی دیوار پر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں، یہ سونے سے لکھی ہوئی ہیں، موصوف مسجد کی بیشتر چیزوں کا معائنہ کراتے ہوئے محراب کے پیچھے لے گئے اور دائیں سمت میں کھڑا کر کے ہم لوگوں سے کہنے لگے دیوار پر اوپر دیکھئے ایک تصویر نظر آ رہی ہے؟ دیکھا لیکن کچھ نظر نہیں آیا، وہاں کھڑے ہوئے ایک شخص نے کہا! دیوار میں لگے ہوئے پتھروں کو گنیے اور چھبیسواں پتھر پر دیکھئے، گنا اور دیکھا تو اس پر آدمی کی شکل نظر آنے لگی، تھوڑا اور دائیں جانب ہٹ کر دیکھا، سامنے سے دیکھا، تصویر صاف نظر آ ہی تھی، ہمارے رہنما کہنے لگے، ماضی بعید میں ایک دفعہ رات کے وقت ایک چور مسجد میں داخل ہو کر سونے

سے لکھے کلمات کو نکال کر چلا اور چل کر صحن میں آیا تو ایک غیبی آدمی ظاہر ہوئے اور اس چور کی گردن ماردی، اور اس چور کی شکل اس پتھر پر اُبھر آئی جو آج تک ظاہر ہے، شہر حیدر آباد میں مَیں اٹھارہ سال سے رہتا ہوں اور اٹھارہ سال سے اس شکل کو دیکھ رہا ہوں، گردن مارنے والا کون تھا؟ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، ہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت نے چور کی شکل کو دیوار پر ظاہر کر کے ایک نصیحت قائم کردی کہ کوئی شخص خانۂ خدا میں چوری کرنے کی کوشش نہ کرے، دوسری حکمت یہ نظر آئی کہ چور کی شکل کو دیوار کے پچھلے حصہ میں ظاہر کیا کہ دیکھو یہ چور ہے، اندرون حصہ میں ظاہر نہیں کیا کہ مسجد کے اندر تصویروں کا رکھنا جائز نہیں ہے۔

پیچھے کی جانب سے لوٹتے وقت مسجد کے احاطہ میں دائیں طرف ایک مدرسہ نظر آیا، آگے بڑھنے پر مسجد کے صحن کے حصہ میں شاہی خاندان کے بہت سارے لوگوں کی قبریں ہیں، اس جگہ سے دائیں جانب ایک عمارت میں ''کتب خانہ اسلامیات مکّہ مسجد'' نظر آیا، ہم لوگ اس جانب بڑھ گئے، اندر داخل ہوئے، انٹری بک پر نام اور پورا پتا، تاریخ لکھنے اور دستخط کرنے کے بعد آگے بڑھے، قرآن پاک، احادیث شریف، فقہ، اسلامیات، تاریخ، منظوم ونظم کے شعبہ کے ساتھ انگلش کی کتابوں کے شعبہ کو بھی دیکھا، کتب خانہ بہت بڑا تو نہیں ہے لیکن سب شعبے میں کتابیں قرینے سے لگی ہوئی تھیں، درمیان میں کئی ٹیبل لگے ہوئے تھے جن پر اردو اور انگلش اخبارات رکھے ہوئے تھے لوگ آرہے تھے اور انٹری بک پر نام لکھ کر اخبار پڑھنے میں مشغول ہوجاتے تھے، تمام شعبے کو دیکھنے کے بعد ہم لوگ بھی اخبارات والے شعبہ میں بیٹھ گئے، اخبارات پڑھنے کی خواہش سے زیادہ دم لینے کی ضرورت تھی، اخبارات تو صبح میں ہی چائے پینے کے بعد ہم لوگوں نے ''اعتماد' منصف، سیاست اور راشٹریہ سہارا خرید لیا تھا ''رہنمائے دکن'' نہیں ملا۔

کتب خانہ اسلامیات مکہ مسجد سے نکلنے کے بعد پھر ہم لوگ چار مینار کے پاس پہنچے چار مینار کی بالائی منزل پر جانے کی تمام شرکاء کی خواہش تھی مگر ہمارے رہنما نے کہا کہ یہاں وقت گنوائیں گے تو مولانا شاہ فصیح الدین نظامی اشرفی رضوی صاحب قبلہ سے ملاقات نہیں ہوسکے گی، تاخیر کی صورت میں موصوف اپنے چمبر سے نکل جائیں گے تو ملاقات ممکن نہیں ہے، موصوف مولانا احمد حسن صاحب رکشا لینے کی کوشش کررہے تھے، میں نے پوچھا کہ پاپیادہ کتنا وقت لگے گا؟ ۱۰ / سے ۱۲ منٹ! میں نے کہا پاپیادہ ہی چلا جائے، مفتی صاحب قبلہ سے پوچھا گیا آپ پاپیادہ چلنے کے لئے آمادہ ہیں؟ موصوف نے بھی ہاں! کہہ کر اپنے ارادے کا برملا اظہار فرمادیا، ہم لوگ پاپیادہ روانہ ہوئے، آخر کار تھوڑی دیر کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ

یہ سارے مکانات جامعہ نظامیہ کی ملکیت ہیں اور یہ مکانات کرایہ پر دیئے گئے ہیں، یہ عمارتیں جو دکھائی دیتی ہیں یہ ہی ''جامعہ نظامیہ'' ہے۔

جامعہ نظامیہ کی سیر

چند منٹوں کے بعد جامعہ نظامیہ کا داخلی دروازہ آنکھوں کے سامنے تھا ہم لوگ جامعہ نظامیہ میں داخل ہوئے، داخل ہوتے کے ساتھ ہمیں بہت ساری موٹر سائیکل، اسکوٹر اور سائیکل نظر آئیں، مولانا احمد حسن قادری سے پوچھا یہ گاڑیاں کس لئے ہیں؟ کہنے لگے شہر اور قرب جوار سے بہت سارے طلبہ پڑھنے کے لئے آتے ہیں اور پڑھنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، یہ دیکھئے سامنے دارالافتاء اور بالائی منزل پر درس گاہ اس طرف طلباء کے لئے قیام گاہ ہیں، سرسری طور پر بتاتے ہوئے آگے کی جانب بڑھتے ہوئے چلے گئے، حوض کی جانب مڑے تو فرمانے لگے یہ دیکھئے سامنے شیخ الاسلام حضرت انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ کی آخری آرام گاہ نظر آرہی ہے، حوض کے قریب پہنچ کر میں نے حوض کے پانی سے کلی کی، آگے بڑھے مزار شریف کے اندر داخل ہوئے، اندر دارالعلوم کا ایک طالب علم پہلے سے بیٹھا ہوا مطالعہ میں مصروف تھا، دارالعلوم کے طلباء کا سالانہ امتحان جاری تھا، شاید مذکورہ طالب علم بھی امتحان کی تیاری کررہا تھا، شیخ الاسلام حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ نے جس طرح سے سادہ زندگی گزاری آپ کے مزار پر بھی ویسی ہی سادگی ٹپک رہی ہے، میں نے معلوم ہی نہیں کیا کہ آپ کا سالانہ عرس اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے یا نہیں؟

شیخ الاسلام کی تربت پر ہم لوگوں نے فاتحہ پڑھی، دعائیں مانگی، وہاں سے نکلے، محترم مولانا احمد حسن صاحب نے فون پر گفتگو کی، آواز آئی! آپ کہاں ہیں؟ حضور آپکے قریب ہوں، یعنی کتب خانہ کی بلڈنگ کے نیچے، آجایئے، ہم لوگ آگے بڑھے ''کتب خانہ نظامیہ'' کی پہلی منزل پر پہنچے، حضرت شاہ فصیح الدین نظامی اشرفی رضوی، مہتمم کتب خانہ نظامیہ کے چمبر میں پہنچے، السلام علیکم! وعلیکم السلام! مصافحہ ومعانقہ کرتے ہوئے مرحبا اھلاً وسھلاً! کہہ کر موصوف نے ہم لوگوں کا خیر مقدم کیا، سر پر بال والی اونچی ٹوپی، شروانی زیب تن کئے ہوئے، جامعہ نظامیہ اور حیدر آباد کی تہذیب وتمدن میں عالمانہ وقار کے ساتھ نظر آئے، دھیمی اور پیاری گفتگو سے خلوص کی شیرنی چھن رہی تھی، ہم لوگوں کو بیٹھنے کا حکم ہوا، کرسی پر ان کے روبرو بیٹھ گئے، پہلی ملاقات تھی، راقم کا نام سن چکے تھے ''مرقع انوار'' پر راقم کا لکھا ہوا تبصرہ ملاحظہ فرما چکے تھے

اور غالبًا مولانا احمد حسن صاحب نے ہم لوگوں کے آنے کی اطلاع موصوف کو دے چکے تھے لیکن تین چہروں کے درمیان شاید موصوف کے لئے یہ شناخت کرنا مشکل تھا کہ محمد ادریس رضوی، مفتی حسن منظر قدیری اور مولانا مسعود رضا قادری کون ہیں؟ مولانا احمد حسن قادری نے ہم تینوں کا تعارف کرایا، موصوف ماشاء اللہ ماشاء اللہ کہتے جاتے تھے، تعارف کے بعد موصوف سے گفتگو ہونے لگی، اسی درمیان میں آپ نے ٹھنڈا پانی پلوایا، شاید اشارہ تھا کہ پی لو، دوستی ٹھنڈے دل و دماغ سے، نوازش کی بارش ٹھنڈے ماحول میں ہوتی ہے، ٹھنڈا پانی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

راقم اپنی تصانیف ''کنزالایمان اور امام احمد رضا'' سالِ اشاعت ۲۰۰۹ء اور ''کلامِ راہی اور صنائع وبدائع'' سالِ اشاعت ۲۰۰۹ء مولانا شاہ فصیح الدین صاحب قبلہ کے لئے لیے گیا تھا مولانا احمد حسن قادری کی طرف بڑھا دیا موصوف میرا منشا سمجھ گئے کتابیں لی اور ان پر شاہ صاحب کا نام تحریر کر کے میری طرف بڑھا دیا کہ دستخط کردو، دستخط کر کے میں نے مولانا المحترم حضرت شاہ فصیح الدین صاحب کی خدمت میں پیش کی، موصوف نے قبول فرمایا، آپ نے پیون کو اشارہ کیا اور اس سے کچھ کہا وہ صاحب گئے اور ایک ضخیم کتاب کے دو نسخے لا کر علامہ کے سامنے میز پر رکھ دیں، علامہ نے پلاسٹک کی پیکنگ کو توڑ کر ایک نسخہ میری طرف اور دوسرا مفتی صاحب کی طرف بڑھا دیا، میں نے کہا کہ ''الجامعۃ الرضویہ'' کے مہتمم مولانا مسعود رضا قادری کو بھی ایک نسخہ عطا کر دیجئے، آپ نے نوازش کی اور ایک نسخہ مولانا موصوف کو بھی دیا۔ کتاب کا نام بڑا پیارا نام ہے ''سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نمبر'' کو مختلف قلمکاروں کے مضامین اور شعرا کے کلام کو مرتب کر کے حسین گلدستہ بنانے والے مولانا محمد فصیح الدین نظامی اشرفی رضوی ہیں، یہ نمبر ۵۰۰ر صفحات سے زیادہ پر مشتمل ۲۰۰۴ء میں اشاعت پذیر ہوا تھا، ناشر: مجلس اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ حیدر آباد ۶۴۔ اے پی الہند ہے، قیمت ۴۰۰ر روپیہ ہے۔ شاہ فصیح الدین نظامی کا مقدمہ ۱۴ر صفحات پر پھیلا ہوا ہے، مقدمہ کی ذیلی سرخیوں میں ایک سرخی ہے۔

''استغاثہ امّت بہ حضور سلطان مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم''

اس عنوان کے تحت شاہ صاحب کے قلم کی جولانیاں شباب پر ہیں، عالم بساط کی درگت پر نظر پڑتی ہے تو مسلمانوں کی حالت بتیس دانتوں کے درمیان ایک زبان کی سی ہے، جو مظلوم ہیں لیکن ظالموں نے ان کو منافقوں کی صف میں کھڑا کر کے ہر ظالم کو آواز دے رہا ہے کہ ظالم ہاتھ میں آگیا ہے ان کو مارو پیٹو، ان

پر بم بارود گراؤ، جیل میں قید کردو، ان کو صفحۂ ہستی سے مٹادو، ان پر ستم کی حد کردو، ہر ٹوپی، ڈارھی والا دہشت گرد ہے، ہمارا کوئی پرشانِ حال نہیں ہے، ایسے میں سب سے اچھی جو بارگاہ ہے وہ بارگاہ رسالت ہے، اس بارگاہ میں ، گرگرا کر، سر جھکا کر، اشک بہا کر، دامن پھیلا کر، اپنا استغاثہ پیش کردیا جائے۔

''اے حبیب غفار، اے دو عالم کے سردار، اے کون ومکان کے مختار، اے محبوب ستار، خاصۂ کردگار، اے ہادئ روزگار، اے عاشق پرورگار، اے رسول عرش وقار، اے قوسین ودنیٰ کے تاجدار، اے شافعِ یوم قرار، اے مونس ہر گنہگار، اے محسنِ ہر ناچار، اے غریبوں کے غمگسار، اے بے کسوں کے دل کے قرار، اے چارہ ساز ہر دل فگار، اے واقفِ جملہ اسرار، اے رموزِ قدرت سے خبردار، اے عابد شب بیدار، اے صدر انجمنِ لیل ونہار، اے سرِ وچمن سدابہار، اے فتحِ مبین کے علمبردار، اے عیسیٰ ہر مریض وزار، اے مسیحائے ہر بیمار، اے عربی ناقہ سوار، اے مدنی شہرِ یار، اے مکی جہاں دار، اے ہمہ تن آئینہ انوار، اے جلوہ فرمائے ہر نقش ونگار، اے عروس مملکتِ واحد وقہار، اے نوشاہ سلطنت جلیل وجبار، اے آفتابِ نور بار، اے سحابِ رحمتِ آثار!!.........خدارا امت کی حالت ملاحظہ فرمایئے، دست دعا اٹھایئے، حجلۂ قرب الٰہی سے باہر تشریف لایئے، مسلمانان عالم کی بگڑی بنایئے افرادِ ملّت کو مایوسیت کی زد سے بچایئے، کفر والحاد کے حملوں سے نجات دلایئے، مغربیت ونصرانیت کی گرفت سے چھڑایئے، مظلوموں محروموں کی ہمت بندھایئے، کمزوروں، ناتوانوں کے دلوں کو بڑھایئے، مادی طاقتوں کے بتوں کو اسلام کے قدموں پر جھکایئے، جور واستبداد کے قلعوں کو ڈھایئے، ظالم خونخواروں کی فرعونیت کو مٹایئے، اسلامی دنیا کے گوشہ گوشہ میں تشریف لیجایئے .....دیکھے......الخ ۳۶۔۳۷، اللہ کرے کہ یہ استغاثہ بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قبول ہوجائے (آمین)

اس کے بعد موصوف نے مزید اپنی تصانیف (۱) ''قال شیخ الاسلام رحمۃ اللہ'' (۲) علما ومشائخ حیدر آباد وبریلی کے علمی روابط'' (۳) اور جانشین خواجگان'' سے نوازا ''جزاک اللہ فی الدارین'' حضرت علامہ شاہ فصیح الدین نظامی اشرفی رضوی اپنی مصروفیت کے باوجود اپنے چمبر سے نکل کر کتب خانہ نظامیہ کی سیر کرائی یہ وہ کتب خانہ ہے جہاں آٹھ سو سے زیادہ مخطوطے ہیں، سب سے پہلے موصوف نے ان مخطوطے والے کمرہ کو کھلوایا جہاں شیشے میں بند مخطوطے رکھے ہوئے ہیں، موصوف نے تمام مخطوطے کا تعارف کرایا، زیادہ بوسیدہ مخطوطے میں کیڑے لگ جانے کے بعد ان کیڑوں کو کیسے بھگایا جاتا ہے؟ بوسیدہ مخطوطے سے تقریباً تین فٹ نیچے بلب جلایا جاتا ہے اس بلب کے چاروں جانب ایسا کیمیکل رکھا جاتا ہے جس سے تمام کیڑے مر کر نیچے گر جاتے ہیں، اسی کمرہ میں ایک شیشے کے بکس میں حضرت شیخ الاسلام علامہ

انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ کا ایک قیمتی عبا بھی رکھا ہوا ہے، علامہ موصوف نے اس عبا کی زیارت کروائی ، اسی بکس میں لوہے کا ایک ڈنڈا نما جس کے اوپر پانچ ٹیڑھی انگلی جیسی بنی ہوئی ہیں جس سے گرمی کے موسم میں فاروقی علیہ الرحمہ اپنی پیٹھ کھجلاتے تھے رکھا ہوا ہے، دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد موصوف ایک بڑے حال میں لے گئے جہاں مخطوطے کو مجلد کر کے الماریوں میں رکھے گئے ہیں، الماریوں کو کھول کھول کر مخطوطے کو دکھایا، اسلامیات، فقہیات، تاریخ، سیرت وغیرہم کی موضوعات پر تمام شعبے کو دکھایا، دوسری منزل پر بھی لے گئے جہاں کتابیں ہی کتابیں تھیں، جامعہ نظامیہ کے طلباء کا سالانہ امتحان جاری تھا لہذا اس کتب خانہ کے بالائی ہال کو بھی امتحان گاہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا، موصوف نے بتایا کہ سمینار اور جلسے کے موقع پر بھی اس ہال کو استعمال کیا جاتا ہے، درسیات کے شعبہ میں بھی کافی تعداد میں کتابیں دیکھنے کو ملیں، چونکہ تعطیل کا وقت قریب تھا اور طلباء کتابیں جمع کر رہے تھے لہذا درسی کتابیں بے ترتیب رکھی ہوئی تھیں، حیدر آباد سے نکلنے والے اخبارات رہنمائے دکن، منصف، سیاست، اعتماد وغیرہ کے فائل بنا کر رکھے جاتے ہیں، ایک گوشہ میں پُرانے اخبارات کے ڈھیر لگے ہوئے تھے علامہ فصیح الدین نظامی صاحب قبلہ نے بتایا کہ یہ پرانے اخبارات یونہی پڑے ہوئے تھے اب ان کو ترتیب دے کر فائل بنانے کا کام جاری ہے، گراؤنڈ فلور میں جلد سازی کی مشینیں لگی ہوئی ہیں اور جلد ساز کتابوں کو مجلد کرتے رہتے ہیں۔

کتاب سے علم زندہ نہیں ہے لیکن علم کو زندہ رکھنے میں کتاب کا اہم رول رہا ہے، کتاب کی ضرورت ہر دور کو رہی ہے، عالم کو، طالب علم کو، درس گاہ کو، مفتی کو، ماضی کو، مستقبل کو اور حال کو رہی ہے، کتنی محترم ہے کتاب، پاک ہے کتاب، پاک اور پاکباز بناتی ہے کتاب، پارسا بناتی ہے کتاب، پہلے آسمان سے نازل ہوئی پھر زمین پر لکھی گئی ہے کتاب، دنیا کی تمام زبانوں کو احاطہ کئے ہوئی ہے کتاب، ماضی کا حال بتاتی اور حال کی روداد سناتی ہے کتاب، اس لئے علم کے شیدائی کتاب کی حفاظت کو فوقیت دیتے ہیں، کتب خانہ بناتے اور سجاتے اور کتابوں کی حفاظت کرتے ہیں، ایسا ہی منظر کتب خانہ جامعہ نظامیہ میں دیکھنے کو ملا، اس کتب خانہ کے مہتمم مولانا شاہ فصیح الدین نظامی کتب خانہ کو بہتر سے بہتر بنانے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں ، مصر سے چھپا اور دوبئی سے لایا گیا قرآن مجید کا وہ نسخہ بھی یہاں موجود ہے جس کے چار ورقوں میں ایک پارہ کو احاطہ کیا گیا ہے، قرآن پاک کے اس نسخہ کو رکھنے کے لئے ایک ایسا رحل بنایا گیا ہے جو سینے کے برابر اونچا ہے قرآن مجید اسی رحل پر رکھا ہوا ہے، مطالعہ کرنے والے کھڑے کھڑے مطالعہ کرتے ہیں، مہتمم

صاحب نے بتایا کہ جب میں دوبئی گیا تو یہ نسخہ وہاں دیکھا، پسند آ گیا لیتا آیا۔

کتب خانہ جامعہ نظامیہ سے ہم لوگ تقریباً ڈھائی بجے نکلے، محترم مولانا احمد حسن صاحب نے غلہ گٹہ آنے کے لئے ۷۰روپیے میں رکشا کیا، یہاں آ کر نماز پڑھی کھانا کھائے تھکے ہوئے تھے سو گئے، عصر کے وقت جب ہم لوگ بیدار ہوئے تو مولانا موصوف حاضر تھے کہنے لگے علامہ شاہ فصیح الدین نظامی صاحب کا فون آیا تھا، رات کے کھانے پر ہم لوگوں کو مدعو کیا ہے، مغرب کے بعد گاڑی آ جائے گی، حضرت کے دولت کدہ پر چلنا ہے۔

عصر کے بعد مولانا محترم ہم لوگوں کو لے کر کے عثمانیہ یونیورسٹی کی جانب روانہ ہوئے، ارادہ تھا کہ شہر کو دیکھتے ہوئے پاپیادہ ہی چلا جائے، لیکن مولانا موصوف نے کہا کہ رکشا پکڑ لیا جائے، وقت کم ہے اور چل کر کے ''دائرۃ المعارف عثمانیہ'' دیکھ لیجئے، جب ہم لوگ ''دائرۃ المعارف'' میں پہنچے تو حیدر آباد کا یہ مشہور کتب خانہ بند ہو چکا تھا، واچمین نے کہا اس کتب خانہ کو دیکھنا ہے یا کتابیں پڑھنی ہیں تو ساڑھے دس بجے آئیں، کتب خانہ ساڑھے دس بجے سے پانچ بجے تک کھلا رہتا ہے، داخلی دروازہ کے قریب ادارہ کی شائع کی ہوئیں چند عربی کتابیں فریم کے اندر لگی ہوئی تھیں، وہاں سے ہم لوگوں کو مولانا محترم لے کر آگے بڑھے، سامنے ایک شاندار عمارت تھی مولانا موصوف نے بتایا کہ یہ یونیورسٹی کی لائبریری ہے اس کے اندر حضرت شاہ وجیہ الدین علیہ الرحمہ کی لکھی ہوئی قرآن مجید کی قلمی تفسیر موجود ہے، اس کا عکس یا سی ڈی کیسٹ تحقیق کرنے والوں کو دی جاتی ہے، حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ (الجامعۃ الاشرفیہ ، مبارکپور یوپی) اس تفسیر کو حاصل کرنے کے لئے تشریف لائے تھے، بہت ہی پوچھ تاچھ کے بعد آپ کو پندرہ پارے کی تفسیر دی گئی، پندرہ پارے جو باقی تھے میں نے حاصل کر کے مولانا محترم کو بھیجا تھا، مولانا صاحب مختلف شعبے کی عمارتوں کو دکھاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور تقریباً ایک گھنٹہ کی سیر کے بعد فرمانے لگے کہ اب تاخیر ہو رہی ہے رکشا پکڑ لیا جائے اور مدرسہ چلا جائے، شاہ فصیح الدین صاحب قبلہ کی بھیجی ہوئی گاڑی آ جائے گی تو ڈرائیور انتظار کریگا، لہذا رکشا پکڑ کر ہم لوگ مسجد عثمانیہ آئے، مغرب کی نماز ادا کر کے بیٹھے ہی تھے کہ گاڑی آ گئی۔

عثمان باغ کی جانب روانگی

ہم لوگ تیار ہو کر گاڑی میں بیٹھ گئے، بیٹھنے کے بعد مولانا حافظ احمد حسن رضوی نے مولانا شاہ فصیح الدین

نظامی کو فون لگا کر بتایا کہ ہم لوگ آ رہے ہیں، کھانا کھانے کے بعد جلدی چھوڑ دیجئے گا، یہ درخواست شاید اس لئے تھی کہ دار العلوم غریب نواز میں تعطیل کلاں ہو گئی تھی، صبح کو طلباء اپنے اپنے وطن کو جانے والے تھے ان کی رخصتی کے وقت موصوف کا مدرسہ میں رہنا اور الوداع کہنا اخلاقی فریضہ تھا بہر حال آگے آگے دیکھئے تو ہوتا کیا ہے، گاڑی چلی لیکن سڑکوں پر گاڑیوں کی کثرت کی وجہ سے سڑکوں کا جام ہو جانا تقریباً ہر شہر کا معمول بنتا جا رہا ہے، شاہ صاحب قبلہ کے مکان تک پہنچنے میں تاخیر ہو رہی تھی، اس درمیان میں موصوف نے کئی مرتبہ حافظ احمد حسن صاحب کے موبائیل پر فون کر چکے کہ گاڑی کہاں تک پہنچی؟ حافظ صاحب بتاتے تھے کہ یہاں پر پہنچی، ہم لوگ یہاں تک آ گئے ہیں، چند ساعت میں آپ کے دولت خانہ پر پہنچ رہے ہیں، اور پھر پہنچ ہی گئے ڈرائیور نے آپ کے دولت خانہ کے قریب گاڑی کو روکا تو آپ حضرت حافظ محمد عابد حسین نظامی، مولوی کامل جامعہ نظامیہ (استاذ جامعہ نظامیہ) کے ہمراہ نکڑ پر اسی لباس میں ملے جس لباس میں کتب خانہ نظامیہ میں دیکھا تھا،، مرحبا اھلاً وسھلاً کہتے اور عطر ملتے ہوئے استقبال فرمایا، رہنمائی فرماتے ہوئے بلڈنگ کی دوسری منزل پر اپنے دولت خانہ میں لے گئے، جس کمرہ میں ہم لوگوں کو ٹھہرا گیا موصوف کی ذاتی کتابوں سے اچھا خاصا کتب خانہ بن گیا ہے، بہت سارے موضوعات اور عنوانات پر یہاں کتابیں مل جائیں گی، اس ذخیرہ کے اندر قیمتاً خریدی ہوئی اور ہدیتاً ملی ہوئی دونوں طرح کی کتابیں ہیں، کتابوں کے درمیان رہنا، کتابیں پڑھنا اور کتابیں لکھنا موصوف کا مشغلہ ہے، اخلاص ومروت، حلم وبردباری، نزاکت ونفاست کی شعائیں گواہیاں دے رہی تھیں کہ کتابوں کے درمیان رہتے رہتے خود اخلاص ومحبت کی کتاب بن چکے ہیں، کتابیں پڑھتے پڑھتے آدمیوں کو بھی پڑھنے لگے ہیں، طرز گفتگو سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ عربی زبان پر بھی مہارت حاصل ہے، روانی کے ساتھ عربی میں گفتگو کرتے ہوں گے اور کیوں نہ ہو کہ جامعہ نظامیہ کے مہتمم ہیں، گاہے گاہے عرب ممالک کا بھی دورہ فرماتے اور عرب ممالک کے اہل ذوق حضرات یہاں آتے بھی رہتے ہیں، تبادلۂ خیالات کے لئے عربی میں گفتگو کرنی بھی پڑتی ہے۔

دستر خوان پر کھانے چن دیئے گئے، بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنے کی اجازت بھی مل گئی، لیکن خود دستر خوان پر نہیں بیٹھ رہے ہیں جیسے کسی کا انظار ہے، آئیے آپ بھی شریک ہو جائیے، بیٹھ گئے فرمانے لگے کہ علامہ سید ضیاء الدین نقشبندی قادری (نائب شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ وبانی ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر) بھی عشائیہ پر مدعو ہیں چند منٹوں میں آجائیں گے اور واقعی چند منٹوں کے بعد علامہ تشریف لے آ

ئے (جامعہ نظامیہ کے اساتذہ کو دیکھ کر اندازہ لگا کہ وہاں اساتذہ کو شروانی پہننا لازمی ہے، حضرت شاہ فصیح الدین نظامی، حضرت حافظ محمد عابد حسین نظامی اور حضرت علامہ سید ضیاء الدین نقشبندی قادری صاحبان سب کے سب شروانی زیب تن فرمائے ہوئے (نائب شیخ الفقہ عمامہ بھی باندھے ہوئے تھے) کھانے پر شریک ہوئے، بہترین اور عمدہ کھانا کھانے کے بعد مفتی حسن منظر صاحب نے اپنا کلام سنا کر محظوظ فرمایا، بدلے میں آپ کو داد سے نوازا گیا۔ اس کے بعد صاحبِ خانہ کھڑے ہوئے اور بولے کہ اب شروع ہو جائے معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا، ایک چھوٹی سی الماری کے اوپر سے دو جبے اٹھا کر ایک مجھ ناچیز محمد ادریس رضوی کو اور ایک مفتی حسن منظر قدیری کو پہنایا شال اوڑھایا دیگر تمام شرکا حضرت علامہ سید ضیاء الدین نقشبندی قادری، حضرت مولانا محمد مسعود احمد قادری، حضرت مولانا حافظ احمد حسن رضوی قادری اور حضرت حافظ محمد عابد حسین نظامی کے کاندھے پر شال رکھ کر پھول کے ہار پہنائے اور سب کو ایک ایک عطر کی شیشی پیش کی، جزاک اللہ فی الدارین، اور چلتے وقت سبھی حضرات کو موصوف نے اپنی تصنیف ''پروفیسر سید عطاء اللہ حسینی کا سفر ہند'' پیش کیا، مسرت وانبساط بھری ان ساعتوں کا کیا ذکر کیا جائے، مہمانوں کے لئے میزبان نئے، میزبان کے لئے مہمان نئے، اس کے باوجود مہمان ومیزبان میں کوئی اجنبیت کا احساس نہیں ہو رہا تھا، آپ کے دولت خانہ سے جب ہم لوگ روانہ ہو رہے تھے، خوشی ومسرت کی ایک نئی لہر اپنے دائرے میں لئے ہوئی تھی، وہ لمحے، وہ ساعتیں، وہ رات، ایک یادگار لمحے، یادگار ساعتیں، اور یادگار رات بن گئی اور حیدر آباد کا یہ سفر ایک تاریخی سفر بن گیا، آپ کے مکان سے اتر کر ہم لوگ جب سڑک پر آ گئے تو میں نے پوچھا اس محلّہ کا نام کیا ہے؟ موصوف نے کہا! اس محلّہ کا نام ''عثمان باغ'' ہے، یہ خالص مسلمانوں کی آبادی والا محلّہ ہے، اس محلّہ کا رقبہ خاصا وسیع ہے۔

عثمان باغ سے مصری گنج میں

علامہ سید ضیاء الدین نقشبندی صاحب اور حافظ محمد عابد حسین نظامی بائیک سے آگے نکل گئے، حضرت شاہ فصیح الدین نظامی صاحب نے فرمایا علامہ سید ضیاء الدین نقشبندی صاحب کے دولت کدہ پر چلنا ہے، اب گاڑی مصری گنج محلّہ کی طرف روانہ ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد مصری گنج میں علامہ سید ضیاء الدین نقشبندی (نائب شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ) کے دولت کدہ پر پہنچ گئی، محترم نقشبندی صاحب قبلہ نے ہم لوگوں کو ''ابوالحسنات اِسلامک ریسرچ سَنٹر'' کے آفس میں لے جا کر بیٹھایا، اس سَنٹر کے بانی آپ ہی ہیں

، یہاں متعدد کمپیوٹر لگے ہوئے ہیں اور دنیا کے مختلف ممالک سے آپ کے

e-mail:Zia.islamic@yahoo.co.in

پر سوالات آتے اور آپ ان سوالوں کے جوابات اچھوتے انداز میں دیتے ہیں، آپ نے www.Ziaislamic.com کھول کر دکھایا کہ دیکھئے کیسے کیسے سوالات آتے ہیں اور ان کے کس طرح سے جوابات دیئے جاتے ہیں، اس کام کے لئے آپ کے ساتھ نوجوان علماء کی ایک ٹیم ہے جو سوالات کو کوڈ کرتی، کمپیوٹر میں جوابات لوڈ کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ اچھا طریقہ ہے اس کے ذریعہ اہلسنّت و جماعت کے عقیدے، طریقے اور اس کی سچائی کی تشہیر ہو رہی ہے، دنیا جان رہی ہے کہ اہلسنّت کی باتوں میں صداقت ہے، یہی جماعت ہے جو انبیائے کرام، صحابہ عظام اور اولیائے محترم کی وفادار ہے ان کی بارگاہ میں باادب ہے، تشہیر کے اس دور میں اپنے ایمان وعقیدے کے خزانے کو لے کر میدان میں آنا ضروری ہے، نہیں تو غیر کے دل میں شک بیٹھ جاتا ہے کہ یہ لوگ علم وعمل کے خزانے سے خالی ہیں، خوشی کی بات ہے کہ علامہ ومفتی ضیاء الدین صاحب انٹرنیٹ کے ذریعہ کام کرنے کے علاوہ قلم کی تلوار کو بھی میان سے باہر نکالے ہوئے ہیں اور جس جانب سے دشمن وار کرتے ہیں قلم کی تلوار کو اس جانب گھمادیتے ہیں، چنانچہ آپ کے اسی آفس میں آپ کے اشارے پر آپ کے رفقانے آپ کی مندرجہ ذیل کتابوں سے نوازا (۱) "سیرت النبی ﷺ" (۲) تصرف خیر المرسلین ﷺ (۳) دربارِ سید المرسلین ﷺ میں جبریل امین کی حاضری (۴) بیس رکعات تراویح، احادیث شریفہ کی روشنی میں (۵) حقانیت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، اور حدیث قسطنطنیہ کی تحقیق (۶) فضائل شبِ براءت، احادیث کی روشنی میں، یہ کتابیں دلائل سے لبریز ہیں اور ایک طرح سے گستاخوں کے منہ پر تالا ہے، کتابوں کے نام ہی کہہ رہے ہیں کہ کسی کے چھیڑنے یا گستاخی کرنے کی وجہ سے ہم منصۂ شہود پر آئے ہیں، بے ادب کو باادب بنانے، گستاخوں کے منہ میں لگام لگانے کے لئے ہمارا وجود ہوا ہے، مذکورہ تصانیف کے علاوہ آپ کی دیگر اور بھی کئی تصانیف ہیں۔

علامہ ومفتی سید ضیاء الدین صاحب اپنے ادارہ "ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر" سے سالنامہ کلنڈر بھی نکالتے ہیں، جس میں ہر مہینے کی تاریخ کے علاوہ چنندہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تاریخ وفات، مشہور علماء واولیاء کرام کے وصال واعراس کی تاریخیں درج ہوتی ہیں، ماہ محرم الحرام کی فہرست میں بیس صوفیائے کرام کے نام کے ساتھ ان کے وصال واعراس کی تاریخیں درج ہیں ان میں بابا فرید الدین

گنج شکر مسعود کے وصال کی تاریخ ۵ محرم الحرام ۶۶۸ھ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۲۸ محرم، سید اشرف جہانگیر سمنانی ۲۸/۸۰۸ھ۔ ماہ صفر المظفر کی فہرست میں بائیس نام درج ہیں ان میں ایک نام ہے حضرت حاجی ملنگ بمبئی ۱۴ صفر، علامہ سید ضیاء الدین صاحب قبلہ سے گذارش ہے کہ اس نام کو آئندہ اس طرح سے ترتیب دیں تو بہتر ہے "حضرت حاجی عبدالرحمٰن عرف حاجی ملنگ" آپ کا نام عبدالرحمٰن ہے، جس پہاڑ پر آپ کا مزار ہے وہ پہاڑ ملنگ گڑھ کہلاتا تھا اسی مناسبت سے آپ کی عرفیت حاجی ملنگ کر دی گئی ہے یا ہوگئی ہے، مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مہاراشٹر کے آپ اوّل مبلغ اسلام ہیں، اسی فہرس میں امام شاہ احمد رضا فاضل بریلوی ۲۵ صفر بھی درج ہے۔ اس کے علاوہ ہر صفحہ مختصر مگر منتخب اردو اور انگریزی مضمون سے آراستہ ہوتا ہے، سارے مضامین آپ ہی کے قلم کی کاوش ہوتی ہے، مثال کے طور پر رجب المرجب ۱۴۳۰ھ مطابق جولائی ۲۰۰۹ء کے صفحہ کے مضمون کا عنوان "سفر معراج اور جبرئیل علیہ السلام کا حسن ادب" ہے، اس عنوان کے تحت آپ نے تحریر کیا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو تمام انبیائے کرام میں فضائل ومناقب، خصائص وکمالات، آیات ومعجزات، مقامات ودرجات کے اعتبار سے۔ برتری وفضیلت، فوقیت ورفعت عطا فرمائی ہے" یہ رسول ہیں ہم نے ان میں کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے اور ان میں ایک (حضرت محمد ﷺ) وہ ہیں جن کو اُس نے سب پر درجوں بلند فرمایا (البقرہ۔ آیت ۲۵۳) ساری خلائق بشمول ملائکہ وجبرئیل علیہ السلام آپ کی امت ہے، جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں حضور پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیّون" اور میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر انبیاء کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹، حدیث نمبر: ۵۲۳/ مسند امام احمد، مسند ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر: ۸۹۶۹/ زجاجۃ المصابیح، ۵، ص ۸) ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے مرقات میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے "میں تمام کائنات، جنات و انسان، فرشتے، حیوانات وجمادات سب کی طرف رسالت ونبوت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں (مرقات المفاتیح، ج ۵، ص ۱۶۳) واقعہ معراج کے موقعہ پر بارگاہ نبوی ﷺ میں جبرئیل امین کے حسن ادب کا سب سے اعلیٰ قرینہ ملتا ہے، ملاّ محمد معین کاشفی ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے شبِ معراج میں جبرئیل علیہ السلام کی حاضری کی کیفیت سے متعلق روایت بیان کی ہے، دوسری روایت جبرئیل علیہ السلام سے یہ منقول ہے کہ مجھے وحی الٰہی سے معلوم ہوا کہ میرے جسم کی ساخت وترکیب جنت کے کافور سے ہوئی ہے مگر مجھے اس کی

حکمت کا علم نہیں تھا، اس کی حکمت مجھے معراج کی رات معلوم ہوئی، وہ اس طرح کہ میں نفاست ولطافت کے باوجود آنحضرت ﷺ کو بیدار کرنے میں تأمل کر رہا تھا اور فکر مند تھا کہ کس کیفیت سے بیدار کروں، مجھے حکم ہوا کہ اپنے چہرے کو آپ کے پائے مبارک کے تلوے اقدس پر مس کروں،، جب میں نے اپنے چہرہ کو پائے مبارک پر ملا، کافور کی برودت، حرارت کے ساتھ ملی، آنحضرت ﷺ خواب استراحت سے بہ سہولت بیدار ہوئے، اس وقت مجھے اپنے کافور سے پیدا کئے جانے کی حکمت معلوم ہوئی (مدارج النبوت فی مدارج الفتوۃ رکن سوم، باب چہارم، فصل دوم، درحکمت تعیین شب از برای معراج، صفحہ ۶۰۱) شب معراج میں جبرئیل علیہ السلام نے سرور کونین ﷺ کی خدمت گذاری کی عظیم سعادت حاصل کی، جیسا کہ تفسیر روح البیان جلد ۵، صفحہ ۱۰۹ میں ہے "شب معراج میں جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام حاضر خدمت ہوئے اور ان میں ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے، جب سرور کونین ﷺ براق پر سوار ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام براق کی لگام تھام لئے، میکائیل علیہ السلام رکاب پکڑے اور اسرافیل علیہ السلام غاشیہ بردار رہے" امام طبرانی کی معجم اوسط، مجمع الزوائد اور خصاء کبریٰ میں حدیث پاک ہے: امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا میں نے زمین کے مشرق ومغرب کو چھان ڈالا مگر پیکر حمد وثنا حضرت محمد ﷺ سے زیادہ فضیلت والا کسی کو نہ پایا (معجم اوسط طبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، حدیث نمبر: ۶۴۶۸، مجمع الزوائد، ج ۸ ص ۲۱۷، خصائص کبریٰ، ج ا ص ۳۱۸) اللہ تعالیٰ بطفیل حبیب ﷺ تمام اہل ایمان کو حسن ادب اور عمل کی توفیق عطا فرمائے اور سوئے ادبی اور بدعملی سے سب کو محفوظ رکھے۔" "ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر" سے نکلنے والا سالنامہ کلنڈر کے ہر صفحہ پر اسی طرح کا محققانہ مضمون شامل ہے۔

ہم لوگ "ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر" کے آفس میں بیٹھے ہوئے مختلف عناوین پر گفتگو کر رہے تھے اور رات اپنی منزلیں طے کر رہی تھی، مفتی ضیاء الدین صاحب قبلہ نے اس ڈھلتی ہوئی رات میں ٹھنڈا پلا کر اپنے طور پر ہم لوگوں کی تواضع کی اور ہم لوگوں نے سمجھا کہ ہمیں تازہ دم کر دیا گیا ہے، اتنی رات کو موصوف نے نہ جانے کہاں سے مہمانوں کی گل پوشی کے لئے پھولوں کے ہار اور شال منگوا کر اپنے جذبۂ صادق کا سامان مہیا فرما کر مہمانوں کے گلے میں پھولوں کے ہار اور کاندھے پر شال رکھ کر مہمانوں کے دل کو باغ باغ کر دیا، علامہ نے فرمایا کہ امسال "دارالعلوم منظر اسلام" بریلی شریف کے طلباء کے سالانہ دستار بندی کے موقع پر میں بریلی شریف ہی میں تھا، آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تربت پر فاتحہ

پڑھنے کی غرض سے بریلی شریف تشریف لے گئے تھے، علامہ نے فرمایا کہ "ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر" کے تعلق سے کچھ تاثرات لکھ دیں، راقم محمد ادریس رضوی نے اس کے بعد مفتی حسن منظر قدیری صاحب قبلہ نے اپنے اپنے تاثرات قلمبند کئے، نائب شیخ الفقہ، جامعہ نظامیہ نے راقم کو حکم کیا کہ ہماری ٹیم کے ان نوجوان علماء کو کچھ نصیحت کر دیں، میں نصیحت کیا کرتا، نوجوان علماء کو مخاطب کر کے اپنی ہی نصیحت کے لئے نصیحت کی پڑی پر قدم رکھ کر چند قدم چلا تھا کہ مفتی حسن منظر صاحب قبلہ اس پڑی پر آدھمکے، میں نے نصیحت کی باگ ڈور ان کے سپرد کری، حضرت کی نصیحت کی گاڑی جب وماعلینا الا البلاغ کے اسٹیشن پر رکی تو میں نے علامہ مفتی ضیاء الدین صاحب قبلہ سے ماہنامہ "صوفیٔ اعظم" کی درخواست کی، آپ نے فرمایا صبح مل جائے گا۔

مصری گنج کے اس "ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر" سے نکل کر ہم لوگ سڑک پر آئے، مصافحہ ومعانقہ کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر "نلہ گٹھ" کے لئے روانہ ہوئے، مسجد عثمانیہ میں پہنچ کر عشاء کی نماز ادا کی، پھر ہم لوگ سو گئے رات زیادہ ہوگئی تھی، صبح کی نماز پڑھنے کے بعد چائے نوش کرنے کی غرض سے ہم لوگ باہر نکلے، مسجد کے متصل مسلمان کا ایک ہوٹل تھا چائے پینے کے بعد پھر وہی سارے اخبارات کو خریدا جو گذشتہ کل کی تاریخ میں خریدا تھا، قیام گاہ پر آ کر مطالعہ کرنے لگے کہ اس کے کچھ ہی دیر کے بعد محترم حافظ عابد حسین نظامی صاحب (مولوی کامل جامعہ نظامیہ) رات کا وعدہ وفا کرنے کے لئے پہنچ گئے، موصوف کے آنے کے بعد خوشی ہوئی، آتے کے ساتھ موصوف نے اپنا بیگ کھولا اور کتاب (۱) "تفسیرات انوار" عقائد اہلسنّت، شیخ الاسلام کی تحریرات میں" یہ دونوں کتاب کے جمع وترتیب کار مولوی محمد حنیف قادری صاحب ہیں، پھر "نقوش سیرت ﷺ، شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں" ترتیب وپیشکش خود حافظ محمد عابد حسین نظامی ہیں، سہ ماہی "سیف الاسلام" کا، میلاد مجسم ﷺ نمبر" جامعہ نظامیہ ۲۰۰۶ء ادبی کونز" مرتب مولانا فصیح الدین نظامی (لائبریرین جامعہ نظامیہ حیدر آباد) اور حمد ومناجات، نعت وسلام ومناقب کے چار مجموعے "جانانِ ما محمد ﷺ"، "زمزمۂ نعت"، مناقب شیخ الاسلام"، "قائم رہے الٰہی یہ جامعہ ہمارا" ترتیب پیشکش حافظ محمد عابد حسین نظامی، سے ہم لوگوں کو نوازا، اللہ تعالیٰ ان تمام محبین ومخلصین علماء کو عمر خضر عطا فرمائے اور مزید ہمت وقوت سے نوازے (آمین)

اس سفر کی روداد اگر قلمبند نہیں بھی کرتا تو یہ سفر زندگی بھر یاد رہتا کہ ایسے مخلصین علماء کی صحبت میں دن رات کے کچھ لمحات تو گذرے جو حسین بن گئے ہیں، ان لمحوں پر علمی گفتگو کا غازہ چڑھ گیا ہے یہ لمحے یادگار بن

گئے ہیں، شمال کے علمائے کرام چند قدم آگے بڑھائیں، جنوب کے علمائے عظام چند قدم آگے بڑھ کر گلے گلے مل لیں تو اہلسنّت و جماعت کا بڑا کام ہوگا، سر جوڑ کر تبادلۂ خیال کریں، کتابوں کا تبادلہ کریں، اس سے باطل عقائد ونظریات پر روک لگے گی، کیوں کہ علامہ مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی قادری اپنی کتاب ”حقانیت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور حدیث قسطنطنیہ“ کے ص ۶۸ پر ایک عنوان باندھا ہے:۔

یزید کی حمایت کرنے والوں سے ایک سوال

آپ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ ”یزید کی حمایت کرنے والے جو قسطنطنیہ کے معرکہ کے پہلے لشکر میں اس (یزید) کے شریک ہونے کا دعویٰ کر کے اسے مغفرت یافتہ اور جنتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ حقائق سامنے آچکے کہ وہ پہلے لشکر میں شریک نہیں تھا تو کیا وہ اس پر کتاب وسنت کی کوئی دلیل لاسکتے ہیں کہ اس نے اس کے بعد جو سنگین جرائم اور سیاہ کرتوت کئے ہیں جس کی تفصیلات آغاز کتاب میں گذر چکی، وہ سب کے سب گناہ مذکورہ معرکہ میں شرکت کی وجہ سے معاف ہو چکے! اس کی عنداللہ کوئی باز پرس نہ ہوگی؟ ۔“ مٹی دونوں طرف نم ہے، خیالات دونوں جانب ایک ہیں، صرف ایک جگہ یا اسٹیج پر جمع ہونے کی ضرورت ہے، دل کو کشادہ کر کے ہم خیال علمائے اہلسنّت کو ڈھونڈ نکالنا وقت کی اہم آواز ہے۔

۲؍اگست ۲۰۰۹ء سنیچر کے دن ہم لوگوں کی واپسی تھی اس لئے آج کے دن ہم لوگ کہیں جا نہیں سکے، مسجد عثمانیہ ہی میں مسجد ھذا کے امام مولانا احمد حسن رضوی صاحب کی محبت وشفقت اور مفتی شمیم القادری صاحب کی کرم نوازی کے سائے تلے پڑے رہے، موصوف امام صاحب نے اپنے دارالعلوم غریب نواز اور ماہنامہ ”بطحاء“ کے تعلق سے تاثر لکھنے کے لئے کہا، ان کی دلجوئی کے لئے ہم لوگوں نے تاثرات لکھ دیے، حالانکہ میرا تاثر ان کو کوئی کام نہیں دے گا، لیکن یہ دیکھتے ہوئے قلم اٹھانا پڑا کہ ایک نوجوان منصب امامت وخطابت بھی سنبھالے ہوا ہے، دارالعلوم کا انتظام بھی، ماہنامہ ”بطحاء“ کی ادارت کا بار بھی اور پی ایچ، ڈی کے لئے کوشاں بھی ہے، کہئے ایسا آدمی سراہنے کے لائق ہے یا نہیں؟ نوجوان علماء کے لئے مشعلِ راہ ہے یا نہیں؟ ان کے لئے دل سے دعائیں نکلیں گی یا نہیں؟

خدا شاد رکھے حسن کے چمن کو
سدا اور لہکائے ان کے لگن کو

☆☆☆☆

مولانا انوار اللہ فاروقی، شخصیت، علمی وادبی کارنامے

(ایک مطالعہ)

سبب کے لئے مسبّب اور مسبّب کے لئے سبب کا، عالم کے لئے علم کا اور علم کیلئے عالم کا ہونا ضروری ہے، چہرے کے لئے آئینے کا اور آئینے کے لئے چہرے کا ہونا لازمی ہے تا کہ چہرے کے رنگ وروپ، نقش ونگار، تازگی وشگفتگی، ملاحت ووجاہت سامنے آجائے اور آئینے کی قدر ومنزلت، قیمت ووقعت کا اندازہ ہوجائے، مسبب نہ ہو تو سبب کیسے پیدا ہونگے اور سبب پیدا نہ ہو تو مسبب کی ذات وصفات کو کون جانے اور سمجھے گا، علماء نہ ہو تو علم کی قدر کون کریگا اور علم نہ ہو تو عالم کون بنے گا، ایک مسبب سیکڑوں اور ہزاروں سبب کو جنم دیتا ہے، ایک عالم ہزاروں لوگوں کو علم کے زیور سے آراستہ کرتا، ایک آئینہ لاکھوں کے حسن وجمال کو ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ایک مصلح ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کی اصلاح کر کے ان کو صالح بناتا، سنوارتا، نیکی وبدی کی راہوں کی تفریق کو سمجھاتا، ہمت وہمدردی کے سبق پڑھاتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو آدمی جانوروں سے بدتر ہوجائے، علم کا درس نہ دیا جائے تو آدمیوں کے اندر جہالت گھر کر جاتی ہے، محبت وہمدردی کے فوائد نہ بتائے جائیں تو محبت وہمدردی کے درخت سوکھ جائیں اور سایا فنا ہوجائے، لہذا علم وعمل کو زندہ کرنے والے، محبت ومروّت کے چمن لگانے والے، آداب واخلاق واخلاص کو ہرا کرنے والے، حلم وبردباری کی کھیتی سینچنے والے، علوم وفنون کی آبیاری کرنے والے مر کر بھی زندہ رہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ مسبب کے روپوش ہونے سے اسباب فنا نہیں ہوتے، چہروں کے غائب یا دور ہوجانے سے آئینوں کی صفات نہیں بدلتی ہیں، ہاں یہ ہے کہ مسبب کے منتقل ہوجانے کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ وہ کتنے اور کون کون سے اسباب

پیدا کئے، کب کب کئے، کیسے کیسے کئے، کہاں کہاں کئے، کس کس جگہ کئے، کس کس کے لئے کئے، کس کس وجہ سے کئے، کس کس حالت میں کئے، ان اسباب کے شمار کرنے والوں کی سانسیں پھول جاتی ہیں تو جمع کرنے والوں کو خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے، کیونکہ منتشر اور بکھرے ہوئے اسباب کو اکٹھا کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے، پھولوں کی ٹہنیوں سے پھولوں کو توڑ کر جمع کرنا آسان ہے چمن سے لالہ وراز کی پنکھڑیوں کو چننا مشکل ہوتا ہے۔

یہ کام اپنی مرضی، اپنی رائے اور اپنی فکر سے بھی کیا جاتا ہے، کام اچھا ہوتا ہے تو اہل علم اور علم دانوں کی جانب سے فاعل کو داد و دعائیں ملتی ہیں اور اگر یہی کام کسی یونیورسٹی میں داخلہ لے کر کسی ماہر کی نگرانی میں کیا جاتا ہے تو داد و دعاء کے ساتھ سند بھی ملتی ہے، اسی کو پی ایچ، ڈی کی ڈگری کہا جاتا ہے اور ڈگری حاصل کرنے والے کو ڈاکٹر آف فلاسفی کے نام سے جانا جاتا ہے، ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں فاعل، فعل اور مفعول سب کی شمولیت ضروری ہے تا کہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے بلکہ فاعل کی حیات وخدمات وکارنامے، جہد و جہت وسعی سب کے سب دوپہر کی طرح چمکنے لگے۔

لائق صد مبارک باد کے مستحق ہیں جناب ڈاکٹر، پروفیسر کے عبدالحمید اکبر صاحب کے انہوں نے علم و عمل اور کارناموں کے ایک درخشندہ شخصیت کے مالک مولانا محمد انوار اللہ فاروقی قدس سرہ پر پونہ یونیورسٹی سے پی ایچ، ڈی، کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اس کے توسّط سے موصوف خود چمکے اور اپنے ممدوح کو چمکایا، میری معلوم کی بنیاد پر حضرت فاروقی کی شخصیت پر پہلی پی ایچ ڈی ہے، جس میں موصوف نے حضرت فاروقی کی شخصیت اور علمی وادبی گوشے کو اجاگر کیا ہے، انہوں نے تین رنگوں یعنی شخصیت، علم اور علم ادب کے لئے کتاب میں چھ(٦) خطے بنائے ہیں، پہلے خطہ میں شخصیت کے آپ دار موتی کی شعاعین،، فکر وفن کے نگینے کی چمک، سیر وسیاحت وزیارت کے نقوش کے اجالے، مشاغل وخدمات کی ہمہ جہتی کے بلند ہوتے باموں کی روداد، ناقدانہ وتنقیدانہ اسلوب کی گھن گرج کی آوازیں وغیرہ ہیں۔

نفس، دل روح۔ وجد وسماع، جبر وقدر، خوش خلقی، صلح پسندی، تسلیم ورضا، معاشرے کی اصلاح، عقائد ونظریات کی اصلاح۔ نظام درگاہ کی اصلاح، سجادہ نشینوں کی تربیت جیسے اہم موضوعات کے حسین و جمیل اور خوبصورت پھولوں سے بھرا ہوا ہے۔ تصوف عوام کا نہیں خواص کا عمل اور موضوع ہے، یہ بلند و بالا مقام آنکھوں سے روپوش ہے۔ کامل عمل سے اس کے باب کھلتے، ذکر وفکر سے مقام قریب ہوتا، طریقت کی وادی میں پہنچ جانے سے مقام کی سیر حاصل ہوتی نفس، دل، اور روح کا اس میں اہم رول ہوتا ہے،

اس راہ میں نفس جب تک کمزور نہیں ہوگا دل آئینہ کی طرح صاف نہیں ہوگا روح میں پرواز پیدا نہیں ہوگی، جب پرواز پیدا نہیں ہوگی دل کی آنکھیں کھلیں گی نہیں، تو مقام خاص، ذات خاص، وادیٔ خاص کی زیارت بھی نہیں ہوگی، یہ ایسا دقیق اور وسیع میدان ہے کہ ہزاروں نے سیر کر کے لاکھوں کی تعداد میں کتابیں لکھ دیں، پھر بھی کسی نے کامل سیر کر لینے کا دعویٰ نہیں کیا کیوں کہ "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ" کا جلوہ ہر آن، ہر لمحہ، ہر ساعت، نئی شان سے جلوہ گر ہوتا رہتا ہے۔

تصوف کے موضوعات پر حضرت انوار اللہ فاروقی کو کتنا عبور حاصل تھا، اور تصوف میں وہ کس مقام پر فائز تھے، اس کا کچھ سراغ پانے کے لئے ڈاکٹر عبدالحمید صاحب کی تحقیقی کتاب کا مطالعہ کرنا پڑے گا، موصوف نے اس سلسلے میں بہت کڑی محنت کی ہے، نفس کو موضوع بنایا ہے تو نفس کی قسمیں نفس امارہ، نفس لوامہ، اور نفس مطمئنہ پھر اسی کو نفس راضیہ، مرضیہ اور ملہمہ کہتے ہیں، ان سب کی اصل قرآن مجید میں موجود ہے، ملہمہ حدیث پاک سے ماخوذ ہے۔ قلب وروح بھی نص سے ثابت ہے۔ سب ؒ کے الگ الگ تقاضے ہیں ان تقاضوں کو فنا کر کے ان میں رب کی مرضی کے تقاضے کو بسانا تصوف کا پہلا زینہ ہے، ذات کی اصل صورت کو مٹانے کے بعد ہی مغز تک رسائی ہوتی ہے، انسان کی ذات زرخیز مٹی کی مثل ہے جس کو الٹ پلٹ کرنے سے ہی نئی نئی فصل کی بہاریں دیکھنے کو ملتی ہیں، جاہل پیدا ہوا، علم کے گوہر چننے کے بعد جہالت مٹ گئی، شعور کی بساط دی لیکن اس پر لاشعوری حاوی تھی، فکر کا شاہین تھا، تیر پرواز کی قوت نہیں تھی، ان سب صورتوں کو بدلنے کے لئے دوسری صورتوں کا قرب اختیار کرنے سے انسان سنور گیا، اسی طرح سے شریعت پر چلنے والا تھوڑا آگے بڑھ کر طریقت کے راستہ پر گامزن ہوتا ہے، پھر ہمت کو بلند کر کے آگے کا سفر جاری رکھتا ہے اس سفر میں اتنا لطف اور مزہ ہے کہ جس کو ایک دفعہ اس کا ذائقہ مل جاتا یا ذائقہ چکھ لیتا، ذائقے کی حلاوت حلق کے نیچے اتر جاتی ہے پھر وہ اس سفر کو ترک نہیں کرتا ہے، سچا صوفی اس راہ میں بنتا ہی جاتا ہے، بگڑتا نہیں، پانی ٹھنڈا ہونے پر برف بنتا گرمی لگنے پر پانی بنتا، برف ہر حال میں ایک نئی صورت کا بنتا ہے بگڑتا نہیں ہے، پیاسے کو دونوں کی ضرورت ہے، پانی نہیں ملتا تو برف استعمال کرتا، برف نہیں ہے تو پانی سے اپنی تشنگی بجھاتا ہے، صوفی وجد وجذب، تجرید وتفریق، فنا وبقا، صبر وشکر، جس منزل میں بھی ہو بنتا ہی جاتا ہے، نفس کی نفی، دل کی دل بستگی، روح کی روانی میں لگا رہتا ہے، صوفیوں کے مشغلے عام اذہان سے ماوراء ہیں، بندہ ہے تو بندگی پر قائم رہتا ہے، غلام ہے تو آقا کی خوشنودی میں لگا رہتا ہے، مصلح کی صورت اختیار کرتا ہے تو لوگوں کو صالح بناتا ہے، خانقاہوں میں رہتا ہے تو شراب عشق ومعرفت بانٹتا ہے،

بلندی پر پرواز کرتا ہے تو سجدۂ شکر ادا کرتا ہے، پستی میں اترتا ہے تو وحدہٗ 'لا شریک لہٗ' کی حمد کرتا ہے، صوفی کسی بھی حال میں کوئی دعویٰ نہیں کرتا کہ دعویٰ دلیل مانگتا ہے اور اگر خواجہ منصور کی طرح دعویٰ کرتا ہے تو خود کو پھانسی پر چڑھنے کے لئے تیار رہتا ہے، اس طبقہ میں حجت وتکرار، قیل وقال، تو تو، میں میں، ہم نہیں ہے۔ ان سب کسوٹی پر حضرت انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ کو کھڑا دیکھنا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل اقتباس کو پڑھ کر فیصلہ کیجئے کہ موصوف تصوف کے کس منزل پر فائز تھے، اس تعلق سے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "مولانا انوار اللہ فاروقی" اوائل میں تو فکر معاش میں مبتلا رہے قیام مدینہ منورہ کے زمانے میں آپ کی ہمشیرہ انتقال فرما گئیں، پھر خود آپ بھی بخار سے علیل ہو گئے، ان نازک حالات میں آپ کے اکلوتے فرزند گیارہ سالہ عبدالقدوس بھی بخار میں مبتلا ہو گئے، ادھر آپ فریش اور بار بار بے ہوش ہوتے تھے، ادھر نو عمر صاحب زادے کی حالات دن بدن ابتر ہوتی گئی، آخر کار ۶ رشوال ۱۳۰۷ھ کو فرزند کا انتقال ہوا، آپ کی خود حالت نازک تھی اس پر یہ سانحہ، مگر تسلیم ورضا کے پیکر بنے فرزند کی موت کی خبر سن کر آپ نے اف تک نہ کیا، صرف اس قدر فرمایا کہ مجھے جنازے پر لے چلو، لوگوں کو تامل ہوا مگر اصرار پر بمشکل تمام لے گئے، آپ نے میت کے کان میں فرمایا، میرے پیارے بچے حضرت رسول اللہ ﷺ کی جناب میں ہمارا سلام عرض کرنا ص ۱۳۷

تسلیم ورضا کی وادی میں ایسی استقامت وہی شخص دکھا سکتا ہے جو محبت حقیقی کا جام نوش کیا ہوگا، جو مرضی ایزدی پر مرضی کو فنا کر دیا ہوگا۔

کتاب کا تیسرا باب حضرت فاروقی کی شاعری سے متعلق ہے، اس وادی میں چلنے کے لئے موزونیت ہو، بحور واوزان یعنی علم عروض سے واقفیت ہو، بعض لوگ شاعری کو بیکار کی چیز سمجھتے ہیں یہ خام خیالی ہے، حمد ونعت ومنقبت کہنا صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت ہے، شاعری ایک اہم فن ہے، نثر سے سخت، بحور واوزان کی پابند، نثر سے الگ راہ کی متلاشی، بندش وقیود میں جکڑی ہوئی، انمول، البیلی، کوزے میں سمندر لئے ہوئی، لے، سُر، تان اور ترنم کے ساتھ ہو تو سننے والوں کو مست وبیخود کر دیتی، جذبہ واشتیاق کو بیدار کر دیتی، عاشق کو معشوق اور معشوق کو عاشق بنا دیتی ہے۔

شاعری درد بھی ہے اور دوا بھی، زخم بھی ہے مرہم بھی، ناز بھی ہے ادا بھی، عشق بھی ہے عاشق بھی، طویل گفتگو کو ایک بند میں بند کر لینا شاعری ہی کا کمال ہے۔ اکثر شاعروں نے عشق کو مجاز میں پھنسایا، الجھایا، ظاہری رنگ وروپ میں کھپایا، زلف کو زنجیر کا نام دے کر خود کو اسی سے باندھ لیا، عشق مجازی میں مبالغہ،

جھوٹ کی سرحد کو چھو لیتا ہے، عشق حقیقی میں مبالغہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ حقیقت کی ترجمانی کا حق بھی ادا نہیں ہوتا ہے، یہاں راہ وسیع اور بہت وسیع ہے، حضرت انوار اللہ فاروقی انورؔ کا عشق حقیقی کے تعلق سے ایک شعر دیکھیئے۔

رنگ تیرا ہی ظاہر گلشن جہاں میں ہے ☆ کون سا ہے گل جس میں تیری بو نہیں (ص ۱۶۶)

حقیقت کی حقیقی ترجمانی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمان جس طرح سے ذات اور فرقے میں بٹ گئے، ادب کو بھی ذاتوں میں تقسیم کر دیا، ادب برائے ادب کے گرویدہ حمد ونعت ومنقبت کو ادب کے خانے میں داخل نہیں کرتے ہیں، اسلامی ادب کا نام دے کر اسلام کے ماننے والے اسلامی ادب کو شہر بدر کر دینا چاہتے ہیں، میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسلامی ادب میں کس چیز کی کمی ہے؟ اسلامی ادب بھی بحور واوزان کے اسرار ورموز سے مزیّن، نئی تراکیب سے آراستہ، بندشوں کی چستی وپھرتی سے پیراستہ، موزونیت سے لبریز ہے تو پھر اس کے ساتھ سوتیلا سلوک کیوں ہوتا ہے؟ بحر حال حضرت انوار اللہ فاروقی کی شاعری کا رنگ اسلامیات وایمانیات وتصوف کے دائرے میں ابھرتا ہے، جو دلکش اور خوبصورت وحسین ہے، پروفیسر عبدالحمید اکبر نے موصوف کے تیس اشعار کو اوزان کے میزان پر چڑھا کر دکھا دیا کہ وزن صاف ستھرا ہے کوئی کمی نہیں ہے۔ ان کے یہاں بھی گل، گلشن، عمارت، دل، مہماں سرا، زلف، مژگان، نظر، خنجر، ابرو، شمشیر، تیر، کمان وغیرہ کا استعمال بڑی روانی کے ساتھ ہوا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے کتاب کے چوتھے خطے میں عنوان کے جو درخت لگائے ہیں وہ اس طرح سے ہیں، مولانا کی نثر نگاری، نثری تصانیف، تصانیف کا اجمالی متعارف، تحریری خصوصیات، اس آخری کڑی کے لئے ڈاکٹر صاحب پہلے مولانا کی کتاب سے اقتباس پیش کرتے، پھر خوبصورت انداز میں تبصرہ کرتے ہیں، ڈاکٹر کے عبدالحمید کا یہ تبصرہ پڑھیئے اور لطف اٹھائیے۔

ان متذکرہ دو خصوصیات سے اثر پذیر ہو کر ایک تیسری صورت بھی اجاگر ہوتی ہے جو نثری اسلوب کے لئے بہت اہم کردار ادا کرتی وہ ہے ان کی وضاحت اور تشریح کا رنگ، مولانا کی تحریر ابہام سے پاک ہوتی ہے، ان کا ابلاغ تام اور اظہار کامل ہے یہ ان کی تبحر علمی فکر کی پختگی کے ساتھ ساتھ زبان وادب پر مکمل قدرت کا نتیجہ ہے، ایجاز واطناب صنعت کے اعتبار سے تو موجود ہیں مگر ان کا بنیادی وصف مساوات کا ہے الفاظ ومعنی میں ایک خوبصورت تعلق ہے، مذہبی تحریروں میں الفاظ کی موزونیت سے قاری کے محظوظ ہونے کا یہ سلسلہ مولانا کی تحریروں کے سوا خال خال ہی دکھائی دیتا ہے، الفاظ کا انتخاب جملوں کی

ترکیب، عبارت کی بندش یہ سب مل کر ان کی تحریر کو واضح اور مربوط بناتے ہیں مولانا انوار اللہ فاروقی کی تحریر میں موضوعات کا نظم، دلیل کی قوت اور منطقی ربط یہ سب مل کر ایک ایسی ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں جس سے قاری کے افکار و خیالات ان کی فکر سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں، اگر قاری ان کی ابتدائی وضاحتوں سے اتفاق کرتا ہے تو اس کے لئے آگے کے مباحث سے اختلاف کرنا محال ہو جاتا ہے، مولانا کا یہ تحریری رویہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے وہ قاری کو قدم بقدم دلیل کی قوت کے ساتھ اپنے ہمراہ لے چلتے ہیں اور قاری یہ محسوس کرتا ہے گویا یہ اس کے دل کی بات ہے جیسے مولانا کے قلم نے ایک پیکر عطا کیا ہے (ص ۲۵۳_۲۵۴)

شخصیت کا انداز تحریر، جز و کل، آب و ہوا، رنگ و بو، حسن و جمال، مقصد و مدعا، فصل اس کی بہار، طبیعت اس کا مزاج، قلم اس کی شاہکار، بندش اس کا ہلال، ترکیب اس کی چاشنی، ربط اس کی قطار، جملے اس کی نکھار، الفاظ اس کے حسن، ساری چیزوں کو مولانا انوار اللہ فاروقی کی تحریر سے کشید کر کے اکبر صاحب نے پیش نظر کر دیا ہے، کہ میں نے دیکھا ہے آپ بھی دیکھو، بات دل کے خانے میں اتر جائے تو کتاب کے لئے، مبارک بادی کے لئے، ملنے کے لئے، مطلب کے لئے غرض کے لئے، مجھے آواز دیجئے، جواب ملے گا۔

راقم السطور کے خیال سے پانچواں باب ادیب اور ادب نوازں کے لئے مخصوص ہے حالانکہ مصنف کا کچھ ایسا خیال نہیں ہے، یہ راقم کی فکر کہہ رہی ہے وہ اس لئے کہ ادب کے سڑک سے گزرنے والے مذہب کی شاہراہ پر چلنے والے، طنز و مزاح کی محفل میں رہنے والے، تنقید کے ڈنڈے گھومانے والے سب کی الگ الگ اصطلاحیں، الگ الگ بولیاں، الگ الگ فکر کی رسائیاں ہیں۔

ادب کی سڑک پر چلنے والوں کی زبان پر مخصوص اصطلاحیں مثلاً اسلوب نگارش، اسلوب، اسلوب کی تعریف، فلاں کا اسلوب، فلاں کا ادب میں مقام و مرتبہ، تشکیلی عناصر، فنی تجزیہ، وغیرہم بلند ہوتی رہتی ہیں، جبکہ یہ اصطلاحیں ادب کے تمام شاخوں پر پھلوں کی مانند جھولتی ہیں، لیکن ادب کے مخصوص طبقہ نے انہیں گرفتار کر لیا ہے، جو بے معنی ہیں۔

ڈاکٹر کے عبد الحمید اکبر نے مذکورہ عناوین پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں، اسلوب کی تعریف کے ضمن لکھتے ہیں

(۱) اسلوب عربی لفظ ہے جس کے معنی طریقہ، راستہ، روش ہیں۔

(۲) انگریزی میں اسے اسٹائل (style) کہتے ہیں، جس کے معنی طرز بیان و ادا کے ہیں۔
(۳) بفون کا خیال ہے کہ اسلوب خود انسان ہے۔
(۴) گبن نے کہا ہے کہ اسلوب کردار یا شخصیت کا عکس ہے۔
(۵) سوئفٹ کے نزدیک مناسب الفاظ کا مناسب جگہوں پر استعمال ہی اسلوب کی سچی تعریف ہے۔
(۶) کروچے کا قول ہے کہ جب اظہار وجدان کی برابری کرے تو اسلوب (style) وجود میں آتا ہے۔
(۷) سین بولے سے پوچھا گیا کہ نثر میں کیا خوبیاں ہونا چاہئے؟ جواب میں کہا! اول وضاحت۔ دوم وضاحت، سوم وضاحت،۔

موصوف اردو کی ابتدا سے اس کے عروج و ارتقاء کی تاریخ سے گزرتے ہوئے اپنے ممدوح کی جانب بڑھتے ہوئے ''تشکیلی عناصر'' کے عنوان پر قیام کرتے ہوئے، تشکیلی عناصر کو سامنے رکھتے ہیں کہ'' وہ عناصر پانچ ہیں۔ مصنف، ماحول، موضوع، مقصد، طالب، یعنی لکھنے والا کون ہے؟ اور کس دور میں لکھ رہا ہے؟ اس کا موضوع کیا ہے؟ اور اس کے لکھنے کا مقصد کیا ہے؟ اس کا تخاطب کس سے ہے؟ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے بغیر کوئی اسلوب تشکیل نہیں پاسکتا (ص ۲۷۶) اب یہاں سے مصنف کا سفر آگے بڑھتا اور تحقیق کی وادی میں اتر جاتا ہے اور مولانا انوار اللہ فاروقی کا فنی تجزیہ کے عنوان سے مولانا موصوف کی کتابوں، مقاصد الاسلام، انوار احمدی، افادۃ الافہام، حقیقۃ الفقہ، کتاب العقل، انوار الحق اور الکلام المرفوع سے ساٹھ عدد سے اوپر اقتباسات پیش کر کے آپ کے اسلوبی جوہر کو منظر عام پر لانے کا کارنامہ انجام دیتا ہے، ڈاکٹر صاحب نے مولانا کی کتابوں سے جو اقتباسات پیش کئے ہیں ان میں اسلوب چودھویں کی رات کے چاند کی چاندنی کی طرح پھیلا ہوا ہے، جس کی بسنت کی پروائی بھی جھوم جھوم کر بلائیں لیتی ہیں، صرف ایک اقتباس ڈاکٹر صاحب کے اس نوٹ کے ساتھ'' ایک اور اقتباسات میں رومانیت کی جھلک نظر آتی ہے، لیکن اس کی حیثیت عمومی اور بازاری نہیں بلکہ اس کا اظہار حقیقی اور معیاری ہے، مولانا لکھتے ہیں'' ملاحظہ کیجئے:۔

''یہ کون نہیں جانتا کہ ابرو کے کرشمے، شمشیر و خنجر کا کام کرتے ہیں، مژگان سنان ناوک سے کم نہیں، زلفیں وارفتہ طبیعتوں کے حق میں دام ہیں، توضیح اس کی اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک معشوقہ نہایت حسین ہو، اس کی دو حالتیں فرض کی جائیں ایک یہ کہ ابرو مژگان خط و خال وغیرہ سلامت ہوں، مگر لباس فاخرہ اور زیور سے عاری، معمولی لباس میں جلوہ گر ہو، دوسری یہ کہ لباس نہایت فاخرہ اور زیور نہایت پیش بہا زیب

بدن ہو۔مگر پلکیں اور ابرو اور سر کے بال مونڈ وادیئے جائیں ۔اب غور کیجئے ان حالتوں میں سے کونسی حا لت اس قابل ہوگی کہ حسن کا اطلاق اس پر ہو، وجدان صحیح تو یہی گواہی دیتا ہے کہ بالوں کے ساتھ حسن بھی رخصت ہو جائیگا، کیوں نہ ہو حسن عارضی کو حسن خداداد سے کیا نسبت؟ اگر چہ یہ حسن تناسب اعضا اور خدو خال اور خاص قسم کی شکل اور رنگ وغرہ سے پیدا ہوتا ہے جو صرف اعتباری امور ہیں ا، اگر عقل سے دیکھے جا ئیں تو ان کو دل ربائی سے کوئی تعلق نہیں مگر کسی عاشق سے کہا جائے کہ ان اعتباری امور پر اپنے آپ کو تہلکہ میں ڈالنا خلاف عقل ہے (ص ۲۸۳)

پہلی وضاحت، دوسری وضات اور تیسری وضاحت کا اس سے حسیں سنگم اور کیا ہوگا کہ پہلی کی دھار دوسرے میں، دوسری کی دھار تیسرے میں، مدغم ہوگئی ہے پھر بھی اپنی اپنی پہچان کو برقرار رکھے ہوئی ہے۔

ماضی وحال کے در و بام کی پہچان

کسی داستان و واقعات کا آنکھو دیکھا حال قلم بند کیا جائے تو ان میں حوالے کی نہیں کہ دیانت داری کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ آنے والی نسل حقانیت وسچائی تک آسانی سے رسائی حاصل کرے اور لکھنے وا لے کو معتبر سمجھے، مگر ماضی کی تاریخ یا بات کو حال میں پیش کرنے کے لئے حوالوں کی ضرورت اہم ہو جاتی ہے، یہ حوالے کتابوں کو مستند و معتبر بناتے ہیں، حوالے نہ ہونے کی صورت میں کتاب ناقص، اہمیت سے خا لی یا سرقہ خوئی کے الزامات کے گھیرے میں آجاتی ہے، حوالے کے ساتھ اقتباس اخذ کرنا معیوب نہیں، تا ریخ دانوں، قلم کاروں کا احسن طریقہ ہے، پیش نظر کتاب کو ڈاکٹر عبدالحمید اکبر نے حوالے سے خوب خوب مزین کیا ہے، ان حوالوں کو دیکھنے سے ان کی محنت کا اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کس قدر ورق گرانی اور عرق ریزی کی ہے، پہلا باب تقریباً ۹۳ رصفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس پر ۲۰۵ رحوالو کے آئینے جڑے ہوئے ہیں، دوسرا باب ۲۹ رصفحات کو احاطہ کئے ہوا ہے، ان صفحات پر پھیلے ہوئے حقانیت وسچائی کے گوہر کی گواہی کے لئے اکانوے گواہان موجود ہیں، تیسرا خطہ ۳۵ رصفحات کا ہے، ان صفحوں پر ۴۱ رشہادتیں موجود ہیں، چو تھا بام ۷۳ رصفحات پر بلند ہوا ہے، بام پر حوالے کے ۵۹ رزینے لگے ہوئے ہیں، پانچواں خانہ ۷۱ رصفحات تک پہنچا ہے ۹۶ رحوالوں کے عدد سے آخری باب، باب ششم آثار قدیمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ پیش نظر کتا ب ۳۳۵ رصفحات پر مشتمل ہے اور ۵۰۲ رحوالے لئے ہوئے ہیں، ۵۰۲ رحوالے کی موجوگی کتاب کی افا

دیت میں چار چاند لگاتے ہیں، مستقبل کا آنے والا مورخ کتاب کو سراہے گا، آنکھوں سے لگائے گا اور مصنف کو دعائیں دے گا، ہماری دعائیں بھی مصنف کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شاد رکھے، آباد رکھے (آمین)

٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪

جزیرے : کاجمالیاتی منظر

لغوی لحاظ سے ''جزیرے،، ان جگھوں کو کہتے ہیں جو پانی کے درمیان ابھری ہوئی، بلنداور مضبوط ہوتی ہیں کہ پانی کی جوشیلی لہریں ان سے ٹکرا کراور اپنا سر پھوڑ کر، دیکھنے والوں کی تسکین کا سامان پیدا کرتی رہیں تا کہ جزیرے اور لہروں کی جمالیاتی منظر کا چرچا دور تک پھیل جائے اور لوگ سراپا اشتیاق بن کر جُوق در جُوق ان کی طرف رخ کریں۔ شاید جزیرے کے اسی جمالیاتی منظر کو پیش نظر رکھ کر ڈاکٹر منظور احمد دکنی نے اپنی تصنیف کا نام ''جزیرے،، رکھا ہے راقم السطور کچھ دیر تک سوچتا رہا کہ کتاب واحد اور نام جمع کے صیغہ کے ساتھ کیوں ہے؟ کتاب کے ٹائیٹل اور بیکپ پیج کو بغور دیکھنے کے بعد عقدہ حل ہوگیا کہ یہ واقعی جزیرے ہیں اور ایک دونہیں بلکہ پورے ۲۵ جزیرے اور ہر جزیرے کی پہچان کیلئے ان پر ان کے نام مندرج ہیں، ٹائیٹل پیج پر ۱۳/اور بیکپ پر ۱۲/جزیروں کے نام لکھے ہوئے ہیں یہ جزیرے مٹی اور پتھر سے نہیں بلکہ عناصر اربع خاک وآب وباد وآتش سے بنے ہوئے انسانوں کے اسمائے گرامی سے مزیّن ہیں فکر نے ایک نیا رخ اختیار کیا کہ انسانوں کو جزیرے سے منصوب کرنا کیا معنٰی رکھتا ہے؟ اس سوال کا جواب فکر نے جو دیا وہ یہ ہے کہ سمندر میں جو جگہیں بلند ہوگئیں وہ جزیرے کہلاتے ہیں اور انسانوں کے رقبوں میں جو علم وآ گہی کی بنیاد پر بلند ہوگئے وہ بھی ان جزیروں کی مانند بلند ہیں اور اپنا نمایاں مقام رکھتے ہیں ان کے علم وادب کا جمالیاتی منظر بھی خوب سے خوب تر ہوتا ہے، یہی جمالیاتی منظر شخصیات میں چار چاند لگاتے لوگوں کے اذہان کو ان کی طرف ملتفت کراتے اور نقش حجر بنا کر شخصیات کو زندہ جاوید کر دیتے ہیں۔

اسی سنیٹفک نظریئے کے تحت ''جزیرے،، کے ٹائیٹل اور بیکپ پیج پر جزیرے نما ڈھانچے بنا کر اوران کے اردگرد پانی کا عکس دکھا کر یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسانوں کے سمندر میں یہ اشخاص علم وادب کی بنیاد پر جزیرے کی طرح ہیں، ان کی ادبی تخلیقات کا جمالیاتی منظر حسین ہے، کسی کے یہاں آہ ہے تو کسی کے یہاں واہ، کہیں پر رقص ہے تو کہیں پر سرور، کسی جگہ داستان ہے تو کسی جگہ خواب، کسی نے ہجر کا منظر پیش کیا تو کسی نے وصال کی خبر سنائی ہے، سب کے جمالیاتی منظر کو دیکھنے کیلئے ''جزیرے،، کی سیر ضروری ہے جزیرے کی سیر سے پہلے ایک بات عرض کر دوں کہ عمر، وقت، حالات اور موسم کے اعتبار سے ہر چیز کا

روپ بدلتا رہتا ہے، بچپن کی شکل نوعمری میں، نوعمری کا مزاج جوانی میں، جوانی کی طبیعت ادھیڑ عمر میں اور ادھیڑ عمر کی خصلت بڑھاپے میں بدل جاتی ہے، موسم خزاں میں درخت ننگے ہو جاتے اور موسم بہار میں پتوں سے لد جاتے ہیں اردو شاعری کی بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال رہی ہے، کبھی کیف ولذت کے بازارو ں کو گرم کرتی رہی، کبھی جام ومینا اور میکدے کے پرچار میں لگی رہی، کبھی حسن وعشق وشباب پر فدا رہی، کبھی جدیدیت سے ہم آہنگ ہوئی، کبھی مابعد جدیدیت کی وادی میں داخل ہوئی، اردو شاعری نے کبھی بھی انقلاب سے روگردانی نہیں کی ہے یہ اس کا بہت بڑا کمال ہے۔ شاعری کے توسط سے لوگوں تک اپنا پیغام پہچانے والوں میں بہت سے خوش نصیب کو عالمی شہرت کی فضا ملی، بہت سارے ملکی پیمانہ پر مشہور ہوئے، بہت سے اپنے صوبہ جات تک محدود رہے، کچھ شعراء ضلع کی سرحد سے آگے نہ بڑھ سکے، بہر حال شہرت جہاں تک پہنچی ہو اس حد تک مشہور سبھی رہے ہیں، کچھ کو منٹوں میں شہرت حاصل ہوگئی بہتوں کو مدّتوں کے بعد پہچانا گیا، کسی کو زندگی کے آخری لمحات میں سینے سے لگا کر شاد کیا گیا، کسی کے مرنے کے بعد اس کی تر بت پرؔ اعزاز کی کوڑی رکھی گئی۔

جناب منظور احمد دَکنی نے ''جزیرے،، لکھ کر ''جزیرے،، میں شامل جزیرون کو اس حد تک بلند کرنے کی سعی کی ہے کہ لوگ دور تک ان جزیروں کو پہچان کر ان کی شاعری کے جمالیاتی حسن سے محظوظ ہوتے رہیں گے اور الجھی ہوئی زلفوں کو سلجھا کر شاعر کے خیالات کی پیچیدہ لہروں تک پہنچنے کی سعی پر سعی کرتے رہیں گے جو لوگ پہنچ جائیں گے سر دھونیں گے اور جو نہیں پہنچ پائیں گے وہ سر پیٹیں گے کہ ''اکرام باگ،، نے کیا کہہ دیا ہے۔

''کل سویرے جو اٹھو/تو باسی سے چہرو کور چوکور سے اس خلاء میں ٹکا کر یہ دیکھو/گلی میں میرے پاؤں کی چاپ/شہر بدر ہوگئی ہے/تب یہ ممکن ہے تم کو/سارا شہر ہنسی کے سمندر میں/رڑ ولتا ہوا ایک جزیرہ لگے''۔

نثر ونظم کے اس مدو جزر پر ''جزیرے،، کے مصنف نے اس طرح سے اپنے خیال کا اظہار کیا ہے ''اکرام باگ'' کے کلام کی پیچیدگی اور اِبہام ذہن کو اس طرح اپنی گرفت میں لیتا ہے کہ نظم کا سرا گرفت میں آتے آتے پھسلنے لگتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ خیال کا ساتھ دینے سے انکار کر رہے ہیں، تاہم اس اِبہام، پیچیدگی اور دقت پسندی کے باوجود عمومی طور پر ان کا شعری آہنگ اور اسلوب منفرد اور جداگانہ ہے۔ صفحہ ۳۳

میرؔ، غالبؔ، فانیؔ، ناصر کاظمیؔ، اور بانی کے سوتوں سے سوتے ملانے والے ''اکرم نقاش،، کی شاعری

ایسی ہے جس میں نئی آب وتاب کے جلوے کو ڈاکٹر دکنی صاحب نے کشید کیا ہے، شاعری ایک قدیم راستہ ہے، اس قدیم راستے کو نئے جلوؤں سے منوّر کرنا انفرادیت کی علامت ہے، پُرانی شاخوں پر نئے غنچے کا کھلنا ہی خوبیاں ہیں، بہتے ہوئے دریاؤں میں نئے بلبلے کا اٹھنا توجہ طلب ہے ''اکرم نقاش'' کے یہاں بات پرانی ہے لیکن سلیقہ نیا ہے، عشق حقیقی کو عشق مجازی سے ملایا جاسکتا ہے اور عشق مجازی کو عشق حقیقی سے جوڑا جاسکتا ہے ان کی شاعری میں نئی بندشوں کو تلاش کر کے ذہن کی آغوش میں سجایا سکتا ہے ان کے تعلق سے ڈاکٹر منظور نے یہی کارنامہ انجام دیا ہے، انہوں نے نئی بندشوں کو اخذ کیا ہے وہ اس طرح سے ہیں'' حرفِ بدن، عرشِ بدن، بدن گل نما، آبادیٔ بدن، جسم نگر، عذابِ کہکشاں، دستِ فغاں، فلکِ انا، شورِ سخاوت، رَخشِ خیال وغیرہ عشق حقیقی اور عشق مجازی کی جانب اٹھنے، بڑھنے اور مڑنے اور دونوں سے آہنگ ہونے کی بہترین مثال کیلئے یہ شعر پڑھ کر فیصلہ کیجئے کہ یہ کس طرف کیلئے اور کس کیلئے بہتر ہے۔

کوئی آئینہ لا دو خود کو دیکھوں ☆ میرے چہرے پہ بھی اس کا گمان رہے

ڈاکٹر صاحب نے تیسرے نمبر پر نظم وغزل کے دوراہے پر چلنے والے تنہا تماپوری کو پیش کیا ہے اوران کی غزلوں سے صرف تین اشعار کو نمونے کے طور پر رقم کیا ہے اور ٹھیک کیا ہے کہ ڈھیر کو پرکھنے کیلئے چندرانے کو ہی دیکھا جاتا ہے کہ مال کیسا ہے، اسی کے مثل تنہا کے تخیل نے تو ایک جگہ قیامت توڑ دیا اور حشر برپا کر دیا ہے پہلا مصرع سکتے میں ڈالتا اور ابہام پیدا کرتا ہے دوسرا مصرع دونوں کو قتل کر کے محبوب کو سامنے کھڑا کر دیتا ہے، محبوب پرانا، بہت پرانا ہے بلکہ یوں کہئے جب سے دنیا قائم ہوئی ہے ساتھ میں لگا ہوا ہے، تنہا نے اسے جس طرح سے سامنے کیا اور روبرو پیش کیا ہے وہ بندوشوں کے نئے اور جگمگاتے ہوئے لباس میں آیا ہے۔

دروازے پہ چھوڑ کر بھاگا ہے کدھر کو ☆ شاید میرے گھر سے میرا سایہ بھی خفا ہے

دکنی کی عمیق نگاہوں نے ڈھیر میں سے ایسے گہر کو نکال کر لوگوں کے سامنے کیا ہے، اس کے علاوہ ان کے اوران کی شاعری سے متعلق محدود صفحات پر اور کچھ بھی بتایا ہے۔

جبار جمیل خوبصورت نام ہے، ان کے قلم کی چال بھی خوبصورت ہے، ان کے ذہن کے پردے پر خوبصورت عکس پھیلتا ہے، ان کے تخیل کی پرواز خوبصورت سمت میں ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب نے موصوف کو صرف نظم گو کی حیثیت سے ''جزیرے،، پر اتارا ہے، ان کی نظم گوئی دیکھ کر ان کی دوسری خوبیوں کا پتا لگایا جاسکتا ہے، موصوف ادیب بھی ہیں اور شاعر وصحافی بھی ہیں، ان کی نظمیں استعاریت کا دامن تھامے

ہوئے دور تک واقعات کو احاطہ کئے ہوئی ہیں، مثال کے طور پر نظم کے چند بند کو دیکھئے۔

''شب کا دامن کربلا / دن ہے ابن معاویہ / مسائل اہل کوفہ / اب گر چاہوں بھی تو ممکن نہیں بچنا میرا''۔

کربلا کے روبرو / شب کا دامن استعارہ ہے، اگر یہ کہا جاتا کہ شب کے دامن کی طرح کربلا ہے تو تشبیہ ہوتی، ابن معاویہ کے سامنے دن استعارہ ہے، اس کو اس طرح لکھا جاتا کہ ابن معاویہ دن کی طرح ہے تو تشبیہ میں شمار کیا جاتا، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ کربلا میں رونما ہوا، ابن معاویہ یعنی یزید فریق کی حیثیت رکھتا تھا، اہل کوفہ نے ہی امام حسین کو خطوط لکھ کر مسائل پیدا کئے، اس آزاد نظم مین بھی کشش ہے، تاریخی واقعات اور شعری حسن برقرار ہے جو ''جزیرے،، کے صفحات کو مضبوط کرتی ہے۔

ڈاکٹر منظور احمد نے ''جلیل تنویر،، کو ان کی کتاب ''محور،، کے حوالے سے ''جزیرے،، میں اتار کر ان کی نظموں کے جمالیاتی حُسن کو دکھایا ہے، اس کے لئے انہوں نے محور کی نظمیں ''درماں،، وہ ایک شخص،، دعا،، بہلاوا،، مدّعا،، برہ،، انتباہ،، انجام،، مشورہ،، مراجعت اور محور سے اقتباسات پیش فرمایا ہے یہ سب کی سب آزاد نظمیں ہیں، ان کی نظموں کے متعلق ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں کہ ''جلیل تنویر کی نظموں کا لہجہ کہیں نرم اور شیریں تو کہیں تلخ جن میں ہماری تہذیب کی جھلک نمایاں ہیں اس کے علاوہ محرومی اور کچھ کھو جانے کا دکھ بھی ملتا ہے جو عصری صورت حال کا اظہار ہے۔ صفحہ ۴۹

عصری صورت حال کے تعلق سے جلیل تنویر کی ایک نظم نصیحت کی آغوش وا کئے ہوئی بڑی روانی سے آگے بڑھتی چلی گئی ہے۔

''صبح دم / اٹھتے ہی اخبار مت دیکھو / چپ چاپ سونے دو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو / گھر سے جب باہر چلو / نگاہیں نیچی کئے آگے بڑھو / مقفل کرلو سماعت کو / شہر کی بھیڑ میں بے نیازانہ چلو / گزار دو یوں ہی زندگی کے شب وروز / ورنہ پھر کوئی کربِ / تم کو بے خواب کردے گا''۔

''جزیرے،، کے صفحات پر اب باری آتی ہے حامد اکمل کی، جن کے متعلق مصنف موصوف لکھتے ہیں کہ ''حامد اکمل'' ریاست کرناٹک کے شعری منظر نامہ کے اہم شاعر ہیں، تقریباً تین دہائیوں سے پرورش لوح قلم کررہے ہیں''۔ اکمل اہم ہیں تو ان کے ابیات کی اہمیت اہل ادب کے نزدیک مسلم ہے، تین دہائیوں سے اپنے خیالات کو نظم وغزل کے گھنگھرو پہنا رہے ہیں تو اب نہ اہم ہوں گے تو کب اہم ہوں گے؟ صحافت اور ادب ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، ان کے دن رات کا تار ادب سے جڑا ہوا ہے، ان

کے ادب کی کھیتی لالہ زار بنی ہوئی ہے تو اس میں ان کی محنت کے کھاد پانی کا اہم رول ہے، موصوف کے یہاں وضع داری اور تہہ داری کی دیواریں مضبوط ہیں، ڈاکٹر صاحب نے جزیرے میں ان کی نظم اور غزل دونوں کے نمونے دکھائے ہیں ان کے یہاں جدیدیت کا رنگ نمایاں ہیں، وہ جدیدیت کے علمبردار ہیں جدیدیوں میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک تہذیب وتمدن کی پاس داری کے ساتھ جدیدیت کیلئے جہاد کرتے ہیں یہ لوگ غنیمت ہیں، دوسرا فطرت کا مطالبہ کرتے ہیں جو تہذیب سے گری ہوئی بات ہے ،حامل اکمل پہلے گروہ میں شامل ہیں اس کے باوجود جزیرے میں شامل اشعار میں سے ایک شعر فطرت کی ترجمانی کرتا ہے۔

لباس اپنا سرِ راہ کبھی اتاروں گا ☆ اٹھائے جو کوئی پتھر تجھے پکاروں گا

ڈاکٹر صاحب کے اخذ کئے ہوئے اقتباسات کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حامل اکمل کے یہاں خارجیت پوری طرح جلوہ فگن ہے، جس کا حسن خوبصورت اور دیدنی ہے، اللہ زورِ خیال اور زیادہ کرے ۔ اب ترقی پسند تحریک کے قائل حمید الماس کی نظموں اور غزلوں کے تجزیئے کئے گئے ہیں ،''جزیرے،، کے مطالعہ سے اس کے مصنف کی قابلیت اور ادب کی پرکھ اور لغزشوں کی پکڑ، خوشبو کشید کرنے کا طریقہ، حسن سے نقاب اٹھانے کا ڈھنگ نرالا ہے، قطار میں کھڑے ہوئے اشعار پر نگاہ دوڑا کر ان میں سے حسین وجمیل، لطیف ونازک خیالی، معنی سے بھرپور، معنوی وصوری اعتبار سے دلکش ودلفریب کو نکال کر منظر پر لانے اور قارئین کو دکھانے کا فن یکتا ہے، کون سے غنچے میں کیا خوبیاں ہیں، کونسی کلی پر لوگ شیدا ہوں گے، کونسے پھول معطر ہیں کو محنت سے الگ کیا ہے۔ حمید الماس کی چند نظموں کے بعد مصنف نے غزل کے منتخب اشعار تحریر کئے ہیں جو الماس کے فکر وفن کے آئینے ہیں دوٹوک باتوں کی آئینہ داری کیلئے یہ شعر دیکھئے ۔

کس شہر بے ضمیر میں بھیجا گیا ہوں میں ☆ کچی نظر دھوپ سے سنولا یا گیا ہوں میں

الفاظ پرانے اور ترکیب نئی کیلئے یہ شعر عمدہ ہے۔

گھر کی عریانی عیاں ہوگئی ہنگام سحر ☆ کب گری رات کو دیوار طلب کیا بتلائیں

حمید سہروردی قدآور شخصیت کا نام ہے لیکن کوئی ضروری نہیں ہیں کہ قدآور ہر میدان میں قدآور ہو، ایک میدان کا قدآور دوسرے میدان میں ذائقہ بدلنے، وقت گزارنے، سیر کرنے کیلئے آتا ہے تو اس کو دیکھا جاتا ہے میدان پر ہوئے کھیل کو نہیں دیکھا جاتا، یہ نسخہ مدبروں کیلئے ہے عام لوگوں کیلئے نہیں، دکنی

صاحب نے ابتدا میں رقم طراز ہیں کہ ''حمید سہروردی بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں مگر انہوں نے نظم کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی ہے، اب یہ طبع آزمائی ان کی تخیلی تخلیق ہے اور تخلیق خالق کی نظر میں محبوب اور پیاری ہوتی ہے، چاہے جیسی بھی ہو، ڈاکٹر منظور احمد نے ان کو تفصیل سے پڑھا ہے اور قریب سے دیکھا ہے، جب ہی تو لکھتے ہیں ''حمید سہروردی کی شاعری میں انفرادیت، طرز احساس، داخلی سوز وساز، ابہام کا دھندلکا، پُراسراریت، رومانیت، رمزیت، اور نیا پیرایۂ اظہار نمایاں ہیں جس سے ان کی شاعری میں تازگی کا احساس پیدا ہوگیا ہے۔ صفحہ ۷۱۔

''جزیرے،، کے صفحات پر خالد سعید کی چند غزلوں سے کچھ اشعار چن کر رکھے گئے ہیں، یوں بھی کہیں تو بجا ہے کہ مختلف قسم کے پھولوں کو لے کر ایک گلدستہ تیار کیا گیا ہے، اس گلدستہ کو دیکھنے، اس میں چنے گئے پھولوں کو سمجھنے کی بعد یہ کہنا پڑتا کہ ان اشعار میں واقعات ہیں، منظر کشی ہے، روانی ہے، تخیل میں پرواز ہے، دلیری ہے، جوش ہے، تہہ داری اور صاف گوئی ہے ۔

پچھلے موسم کے پرندے اس برس کیا آئیں گے ☆ گھونسلے یوں ہی لٹک کر پیڑ سے گر جائیں گے

پرندوں کی ہجرت اور ان کے گھونسلوں کا پیڑ پر لٹکا رہنا، پرندوں کے آنے کی امید چھوڑ دینا، گھونسلوں کے گر جانے کا یقین رکھنا، سچائی بھی ہے اور منظر کشی بھی، تعاقب بھی ہے اور تماشا بھی، روانی میں جوش بھی ہے۔

نیا موسم چمن میں چیختا ہے ☆ شجر سے آخری پتہ گرا ہے

نیا موسم ہے، نئی آواز ہے، نئے موسم کا چیخنا نئی صدا ہے، نئی بندش ہے، نئی سوچ ہے، نیا رنگ ہے اور خوب ہے۔

خمار قریشی کے تعلق سے ڈاکٹر منظور احمد نے یوں تمہید باندھی ہے۔ ''خمار قریشی تقریباً چار دہائیوں تک شعر کہتے رہے انہوں نے جہاں ماضی کی شعری روایات سے روشنی حاصل کی ہے وہیں انہوں نے روایت شکنی بھی کی ہے۔'' روایت شکنی، وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے، ادبی دنیا میں روایت شکنی جیسے گناہ گاہے گاہے ہوتے رہے ہیں، یہ گناہ ادب کے حسن کا ٹیکہ بن کر رہ گیا ہے جو ادب کے حسن کو دوبالا کرتا ہے یا یوں کہا جائے کہ حسن کا جز بن کر خود چمک رہا ہے، سب انسان کا قد ایک برابر نہیں، رنگ ایک جیسا نہیں ہے تو فکری ہم آہنگی، تخیل میں پرواز، قوت برداشت دیکھنے، سوچنے اور سمجھنے کی طاقت ایک جیسی کیسے ہوسکتی ہے، اور ایک شخص اپنی فکر، پرواز، برداشت دوسرے کو کیسے دے سکتا ہے اور دے بھی دے تو دوسرے کے

اندر مسلک نہیں ہو سکتی ہے اسی کو خمار قریشی نے اس طرح سے کہا ہے ؎

یہ وسعتیں میرے اندر کی تجھ کو سونپ بھی دوں ☆ تو گوشہ گوشہ گرفتہ، تو طاق طاق زدہ

نئی ترکیب ''زینۂ شام'' کے ساتھ اس طرح سے گرہ باندھتے ہیں ؎

زینۂ شام پہ رکھا ہے چراغِ خستہ ☆ جس کی رگ رگ میں رواں زرد دھواں تھا پہلے

راہی قریشی کے شعری چمن سے جزیرے کے مصنف نے لفظیات کے پھول خوب چنے ہیں، ایک ہی قطار میں قسم قسم کے نصف صد سے زیادہ پھول کو یکے بعد دیگرے اس طرح سے سجادیا ہے کہ دیکھنے والا محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے، مصنف اس سلسلہ کو اور آگے بڑھاتے ہیں تو چند قدم کے بعد پھر سات پھولوں کو جمع کرتے ہیں، پھر قارئین کو چمن کی سیر کراتے ہوئے تراکیب کے چھومر دکھاتے ہیں تو یہاں پر بارہ چھومروں کو سامنے کر دیتے ہیں پھر پھولوں کے باغ میں گھوماتے ہوئے اس کی خوبیاں گناتے ہیں، لفظیات کے پھولوں کو دیکھئے جو قطار در قطار کھڑے ہیں ؎

کربلا، دھوپ، لہو، پیاس، غریب الوطنی ☆ ابر چھا جائے خدایا کہیں سایہ بن کر

٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪

سادگی، دوستی، وفا، اخلاص ☆ عیب جتنے تھے ہم میں پائے گئے

٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪

محبت، مروت، اخوت، خلوص ☆ یہ ساری چتائیں جلا دی گئیں

٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪

محبت، وفا، دوستی، سادگی ☆ انہیں مقبروں کی زیارت کرو

٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪

یہ سب غنچے، کلی، پھول، پنکھڑی، دیکھنے کے بعد دوسرے جزیرے کی سمت چلتے ہیں، چل کر کچھ وہاں نظارہ کیا جائے اور دل بہلایا جائے، ساتھ ہی ادبی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہو یا جائے ''رحمٰن جامی'' دو سال پہلے کی خبر ہے کہ رحمٰن جامی زندگی کی بہتر (۷۲) بہاریں دیکھ چکے ہیں اللہ کرے کہ تہتر (۷۳) سال اور زندہ رہیں تا کہ آپ کی شاعری کی طرح آپ کی حیات بھی بے مثال بن جائے، مصنف کی تصنیف کی روشنی میں زود گوئی کا حال یہ ہے کہ آپ کے دس سے زیادہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں، اور تخیل کے سوتے ابھی تک دریا کی روانی کی طرح رواں ہیں، جامی کے اندر پرواز بھی ہے غواصی بھی، سیر بھی ہے

سفر بھی، تنقید بھی ہے طنز بھی، آج کل کا انسان حیا کی دبیز چادر سے نکل کر بے حیائی کے ٹیلے پر جا بیٹھا ہے اور اپنی عفت و عصمت کو لٹا کر خوش ہوتا ہے، ایسے لوگوں پر رحمٰن جامی نے تنقیدِ نظر کا زوردار پتھر پھینکا ہے، کہتے ہیں ؎

تقسیم کرتے پھرتے ہیں خود اپنی آبرو ☆ کس درجہ مالا مال ہیں میری صدی کے لوگ

شباب عشق و وفا کو ڈھونڈتا، مطلوب کو روبرو کر کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنا چاہتا ہے یہ سب ہے تو وفا ہے اور اگر مطلوب نے رخ پھیر دیا یا انداز بدل دیا تو وفا میں دو حرفوں کا اضافہ کر کے ''بے وفا،، کہتے ہیں، کہنے کا انداز الگ الگ ہے، جامی کے کہنے کا انداز دیکھئے ؎

بے وفا بے وفا بے وفا بے وفا ☆ آ بھی جا آ بھی جا آ بھی جا آ بھی جا

کس نے دھوکا دیا کس زباں سے کہوں ☆ آشنا آشنا آشنا آشنا

خامشی بول اٹھی، راہزن کون تھا ☆ رہنما رہنما رہنما رہنما

یہ وہ اشعار ہیں جن میں برجستگی، سچائی، دلیری اور نقد و نظر تلواریں اٹھائے ہوئے گرج رہی ہیں۔

رزاق اثر کے یہاں بقول مصنف کہ ان کے یہاں کلچر ہے، اقدار ہے، زوال کی داستان، زباں کا احساس، کرب کا اضطراب، روایت کی پاس داری، عصری تقاضے، سادگی اور دلکشی ہے، تراکیب میں ہنر مندی کے جلوے جگمگا رہے ہیں، چشم ہنر، رہبر کی بستی، راون کی بستی، آئینہ ساز، دہشت زدہ مکیں، امیر شہر، لب فرات، شب ظلمت، حیوان نما انسان وغیرہ۔

رزاق اثر کے یہاں استعاریت رواں دواں ہے اور خوب ہے نظم کا یہ حصہ قابل غور ہے۔

''بڑی مچھلی ر پریشاں ہے کئی دن سے رکہ چھوٹی مچھلیاں سمندر کی رمتحد ہونے لگی ہیں۔،، بڑی مچھلی سے مراد بڑے لوگ یا لیڈر حضرات ہیں، اسے دور تک پھیلائیں تو راجا، مہاراجہ، بادشاہ تک بات پہنچے گی، چھوٹی مچھلی کی طرف اشارے سے مراد غریب، مزدور، عوام اور رعایا ہے، ایک طرف اتحاد کی زنجیر بنتی ہے تو دوسری طرف پریشانی بڑھتی ہے، طاقت و قوت کی دیواروں میں زلزلہ پیدا ہوتا ہے، حکومت گرتی اور بدلتی ہے، اشعار کی زبان میں اسی طرح گفتگو ہوتی ہے۔

''جزیرے،، کے صفحات پر اب شیدا رومانی اور ان کی غزلوں، نظموں کے تذکرے ہیں شیدا کے یہاں فکر انمول، بات پختہ، اسلوب عمدہ، پرواز پری زاد، اظہار پاکیزہ، خیال آفریں ہیں، خیالات کی دیواریں مضبوط ہیں، اظہار کی رنگارنگی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔

سورج بجھا، ستارے چھپے، چاند گھٹ گیا ☆ لے دے کے صرف یاد کی قندیل رہ گئی

سورج ڈوبا، غروب ہوا، مغرب میں چلا گیا، نیچے اتر گیا جیسے الفاظ عام ہیں، سورج بجھا، کی ترکیب نے شعر میں جدت اور نیا پن پیدا کر دیا ہے۔

زمانے میں تغیر و تبدل کا نام تاریخ ہے، تعمیر و تخریب نہ ہو تو تاریخ نہیں بنے گی، جب سے دنیا قائم ہوئی رد و بدل کا سلسلہ جاری ہے، ترقی کا زینہ بلند ہوتا جا رہا ہے، ساتھ ہی خلوص وفا، محبت اور دوستی کی گلے پر چھری بھی چل رہی ہے، شیدا رومانی نے ان باتوں کو شعر میں اس طرح پرویا ہے۔

مشینی شہر میں دل کی گلی تلاش نہ کر ☆ یہاں خلوص، وفا، دوستی تلاش نہ کر

صابر فخر الدین کے متعلق ڈاکٹر منظور احمد لکھتے ہیں کہ۔ ''ان کی شاعری میں فکر کا عنصر پایا جاتا ہے، انداز بیان دلکش، شعور پختہ اور لہجہ عام فہم ہے، ان کی زبان، زندگی کی زبان ہے، جس میں ان کے جذبات و احساسات اور تصورات کھل کر سامنے آجاتے ہیں''۔ صفحہ ۱۰۲

فکر اللہ تعالی کی دی ہوئی عظیم نعمت ہے جو جملہ و الفاظ کے پیکر میں قلبی واردات کو، خارجی مہمات کو، داخلی کشمکش کو، سماجی روایات کو ڈھالتی ہے، فکر سمندر کی مانند ہے جس میں ہر لمحہ تلاطم برپا ہوتا رہتا ہے اور جب فکر کے سمندر میں جوار بھاٹا اٹھتا ہے تو ذہن میں اتنے مضامین آتے ہیں جس کو قلم لکھنے سے عاجز ہوتا ہے یا اتنے حسین نقوش بنتے ہیں کہ لوگ دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں اور بلندی کی جانب پرواز کرتی ہے تو یہ خیال ابھرتے ہیں۔

خیال فکر کی کم مائیگی بھی ☆ مکاں سے لامکاں تک آگئی

جس کا جو حال ہے، جس حال میں ہے اس کو وہی شخص بیان کرے تو حال کھل کر سامنے آتا ہے، اپنا درد، اپنی محبت، اپنی داستان آپ سنائے تو درد کی ٹھیس سمجھ میں آئے گی، محبت کی روداد خود کہئے تو لطف دوبالا ہوگا، داستان کی آپ بیتی اُجاگر ہوگی، ڈاکٹر منظور احمد نے صغریٰ عالم کو جزیرے کے صفحات پر ان کے الفاظ ماخوذ کئے ہیں۔ ''پیار اور محبت درد اور کرب، فکر و نظر کے عکس ان کی شاعری میں منعکس ہیں۔''

بجھائی جائے نہ یہ روشنی محبت کی ☆ کہ دوریوں میں بھی یادوں کو ضوفشاں کر لیں

صغریٰ عالم کو غزل و نظم دونوں پر عبور حاصل ہے، ان کے چھ مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں اسی سے ان کی کثرت گوئی کا انداز لگایا جا سکتا ہے، ان کی نظم میں ان کی نظامت، ان کی نیابت کا آئینہ چمک رہا ہے، ایک سبب ہے خط کا آنا، اس سبب پر انہوں نے کئی مسبّب کو اتارا ہے، دیکھئے اور غور کیجئے۔

''پھول دل کے کھلے / روشنی سے ڈھلے / عید آئی ہوئی / رنگ لائی ہوئی / چاندنی کی طرح / رات رنگین ہوئی / آنکھ غمگین ہوئی''۔

گزشتہ صفحات پر رحمٰن جامی کا ذکر خیر تھا اب ان کے تلمیذ ظہیر بابایار کے تذکرے ہیں، رحمٰن جامی کا لگایا ہوا یہ پودا تناور درخت بن کر پھول و پھل سے لدا ہوا ہے، کسی شاخ پر وفا کے پھول کھلے ہوئے ہیں تو کسی پر ظلم و ستم، غم دنیا، غم تنہائی اور داغ الفت کے پھول لٹک رہے ہیں، راہ چلنے والے مسافر جب اس درخت کے پاس پہنچیں گے تو اس نرالے درخت کے پاس ضرور رکیں گے اور درخت کو دیکھ کر یہ کہیں گے کہ یہ ظہیر بابایار کا ''مَیں'' ہے یا ہم؟ ادب اسی وقت سر چڑھ کر بولتا ہے جب کسی کا ''مَیں''، ہم، بن جائے، ''مَیں'' کو، ہم، بنانے کیلئے ''ہم'' کی ہماہمی گھن گرج، طور طریقے اور عادات و اطوار کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔

داغِ الفت، غمِ دنیا، غمِ تنہائی ☆ رات کی ایک مسافت ہے سحر سے پہلے

''میں'' کے منبع سے نکلے ہوئے یہ چند جملے ''ہم'' کی شراکت کا احساس دلاتا ہے، یقین نہ آئے تو ''ہم'' سے انٹریو کر لیجئے۔ عبدالرحیم آرزو کبھی آرزو تھے اب ہزاروں لوگوں کی آرزو بن چکے ہیں، اپنی آرزو میں دوسروں کی آرزوؤں کو ملا کر یا دوسروں کی آرزو میں اپنی آرزوؤں کو نکال باہر کرتے ہیں اور بڑے قرینے و خوبصورت انداز میں کرتے ہیں، گہرائی میں ڈوب کر، سمندر میں اتر کر، آنکھوں میں جھانک کر، دل کو ٹٹول کر، چہرے کو دیکھ کر، سراپا کی کتاب پڑھ کر، لیجئے آپ بھی پڑھ لیجئے۔

ہم سادگی میں انکی طرف دیکھتے رہے ☆ ان کی نظر کو وقت ملا وار چل گیا
تھی ایسی کتنی دور بھلا ان کی انجمن ☆ آنکھوں کی راہ دل میں گئے مل کر آگئے

خیالوں کے عکس اسی طرح اترتے ہیں، تخیل کو پرواز اسی طرح ہوتی ہے، فکر کی لہریں اسی طرح چلتی ہیں۔

لطیف صاحب کی شاعری پُرلطف اور لطافت و حلاوت سے پُر ہیں، ان کے تعلق سے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ۔ ''ان کی شاعری علامتوں سے رچی ہوئی ہے، ان کی شاعری میں اپنے عہد کی آواز کے ساتھ نئی تہذیب کے عناصر اور ذات کا داخلی کرب شامل ہے جو ان کی محرومی کے دکھ کا اظہار ہے۔ صفحہ ۱۲۱

لطیف کی غزلوں پر ان کی نظمیں چادر بنی ہوئی ہیں اور دونوں حسین ہیں، دونوں جگہوں پر معنویت نفاست، تہہ داری کے ساتھ ان میں کشش ہے، چادر ہٹانے کے بعد عکس جو نکلتا ہے وہ یہ ہے۔

کیوں ریت میں گم یاد تیری ☆ صحرا میں سفر خواب ترا

ایک پتھر میں کہانی دل کی ☆ اور دل میں مرے پتھر روشن

ادب کے چمن کی رونق انہیں قسموں کے اشعار سے بحال ہے اور اسی بحال سے بہار ہے۔

محبّ کوثر کی فکر نے ادب کی چار قطعہ اراضی حاصل کر کے ادب نوازوں کے حوالے کر دیا ہے انہیں ادب نوازوں میں شامل منظور احمد دکنی چاروں قطعہ کا تجزیہ کر کے لوگوں کو دکھایا ہے کہ ان بوئی ہوئی فصل میں کیا کیا ہیں، حیات ہیں، حیات کے مسائل ہیں، مسائل کی ترجمانی ہے، دکھ ہے، درد ہے، پیغام ہے۔

ہر شخص کی قسمت میں کہاں عیش فراواں ☆ ہر ایک کو بحرین سے پیسہ نہیں آتا

اس شعر پر دو نظریے متصادم ہو کر ہو کر اپنی اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں؛ ایک حسد پر مبذول کرے تو بعید از قیاس نہیں ہے، دوسرا حقیقت پر محمول کر کے قبول کرے پھر بھی رشک کا شائبہ برقرار رہتا ہے۔

غموں کی دھوپ کڑی دوپہر سے گزرے ☆ تمام عمر جھلستی ڈگر سے گزرے

غموں کی دھوپ اور پھر کڑی دوپہر، اسی درمیان، حیات کا درخت، اب اس کا جھلسنا حیرت کی بات نہیں ہے شاعر نے بہت بہتر منظر کشی کی ہے، اس پر جتنا بھی داد کا پانی دیا جائے کم ہے۔

محسن کمال کے کچھ منتخب اشعار جزیرے کے صفحات پر جگ مگ جگ مگ کر رہے ہیں، جیتی جاگتی دنیا کی جہتوں کے کمال کو کمال نے اپنے اشعار کے کمان پر چڑھا کر چھوڑا ہے جو برق کی طرح گرا اور بجلی کی طرح پھیل گیا ہے۔

یہ ادائیں یہ تبسم یہ شباب ☆ میں اکیلا اور یہ ساری بجلیاں

شعری دنیا میں کمالؔ کا کام دلچسپی سے خالی نہیں ہے، بندش وترکیب میں جب جذبات کے شعلے لپکتے ہیں اور نئی جہت کے آسمانوں پر پہنچاتے ہیں تو کئی جگہوں پر قارئین کو مبہوت کر دیتے ہیں مثال کے طور پر۔

تیرے کوچے میں پھرتا ہے ایک اجنبی ☆ دشت دل میں لئے کچھ مرادوں کے سانپ

دشت دل میں مرادوں کے جنگل، جنگل میں سانپ ہی سانپ، نفسانیت کو طشت از بام کرنے کی عمدہ مثال ہے۔

مظہر محی الدین کے شعری باغ میں عمدہ عمدہ پھول ہیں، ڈاکٹر منظور احمد نے ان میں سے کچھ پھولوں کو جزیرے کی وادی میں اتارا ہے، ان میں سے ہر پھول اپنی طرف مائل کرتا ہے، ہر طرح کے مزاج کے لوگوں کے موافق سامان مہیا ہے، اس مشینی دور میں ہر شخص اپنی منزل کی طرف دوڑتا ہوا نظر آتا ہے، اتنی

فرصت اور اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ لوگ چند لمحوں کی لئے ٹھہر کر دوسروں کی تکالیف کو سن لیں، ان باتوں کو لوگ روزمرہ کی زبان میں بولتے ہیں کہ لوگ بہت مصروف ہیں، لوگ بھاگ رہے ہیں، لوگ دوڑ رہے ہیں، آنکھیں بند کر کے چلتے ہیں وغیرہ وغیرہ، مظہر نے کیا کہا ہے اس کو پڑھیئے۔

کوئی ٹھہرے تو روداد غم کہہ سکوں ☆ لوگ چلتے ہیں بہتی ندی کی طرح

ہاتھی کی طرح چلنا، گھوڑے کی طرح دوڑنا، چڑیوں کی طرح اڑنا پرانی فکر ہے، بہتی ندی کی طرح چلنا نئے زاویئے کی تشبیہ ہے۔

نصیر احمد نصیر کچھ اپنی باتیں کہی ہیں کچھ دوسروں کی پیوند کاری کی ہے، کبھی خود میں جھانکا ہے، کبھی کائنات کو دیکھا ہے اور حیات، کائنات، معاشرہ، تہذیب وتمدن، اخلاص، مروت، محبت واتفاق، نفرت، حسن، عشق، عشوہ، ناز نخرے، کے باغوں سے کھٹے میٹھے پھلوں کے رسوں کو چوس کر جو شاعری کا شہد تیار کیا ہے، اس میں ان پھلوں کے تلخ وشیریں ذائقے عیاں ہیں۔

سب تھے خونخوار درندوں کی طرح ☆ ایک انسان بھی مرے گھر میں نہ تھا

انسان کی خصلتیں بدلتی جا رہی ہیں، انسانیت دبتی جا رہی ہے، درندگی عیاں ہوتی جا رہی ہے، لاشعور میں چھپی خصلتوں کو شعور کے پردے پر لا کر فخر کیا جاتا ہے، جس سے شعور کا چلمن چاک ہوتا جا رہا ہے۔

وحید انجم کی وادی بہت وسیع ہے حالانکہ ان کے دو ہی مجموعے ''زخموں کی زبان،، اور'' منظر دھواں دھواں،، شائع ہوئے ہیں، ان میں سے منظور احمد صاحب تین نظموں کے اقتباسات اور اشعار'' جزیرے،، میں شامل کئے ہیں، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ انجم کا رخ حمد پاک کی جانب بھی ہے اور نعت شریف کی طرف بھی، معاشرے کی سمت میں بھی ہے تعلیم وتعلم کی سوجھی، انہوں نے جس طرف بھی رخ کیا، غور وفکر فرمایا، اور بڑے قرینے وادب کے ساتھ پختہ بات کہی ہے، انہوں نے بارگاہ، دربار، اشخاص، امراض، انسان، اعمال سب کا خیال رکھتے ہوئے جو جس منصب پر فائز ہے اسی کے لائق شایانِ شان باتیں کہی ہیں، اشخاص کی خوبی، خامی، انسان کی خصلت وعادت، امراض کی پہچان کرادی ہے۔

کم ظرف کی محفل میں شیخی ہے تکبر ہے ☆ اک پل بھی وہاں ہم سا خوددار نہیں رکتا

شیخی اور تکبر بیماریاں ہیں اور خودداری صحت مند اخلاق کی دلیل ہے لہذا صحت مند بیماروں کے بیڈ پر سونے سے پرہیز کرتا ہے یہ بھی ایک خوبی ہے۔

وقار ریاض کی غزل کے مجموعہ کا نام ''قلم بولتا ہے،، کیا بولتا ہے،؟ سچ بولتا ہے، ادب کی زبان بولتا، ظلم وستم کی داستان بولتا، مظلوموں کی کہانی بولتا، چیخ کر بولتا، زور سے بولتا، ظالموں کے سامنے بولتا، مغروروں کے روبرو بولتا، بے باک ہوکر بولتا ہے۔

دنیا کے خداؤں کا کبھی ڈر نہیں رکھتے ☆ ہم جا کے کسی در پہ کبھی سر نہیں رکھتے

اور کیا بولتا ہے؟ رنگ رنگ کی بولیاں ہیں ایک بولی اور سنئے

کبھی دوحہ کبھی جدہ کبھی بحرین سے آ کر ☆ ہمارے شہر کی سڑکوں پہ سکے رقص کرتے ہیں

پیش نظر

ڈاکٹر منظور احمد دکنی صاحب نے بڑی ہی محنت، عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ ''جزیرے،، کو تصنیف کیا ہے، ان کی یہ تصنیف ادب سے جڑی، ادب میں گھلی، ادب سے ملی ہوئی شخصیتوں کو زندہ جاوید کر رہی ہے اور کرے گی، دکنی کے قلم سے نکلے ہوئے جملہ والفاظ کے لعل و گہر آنکھوں کو خیرہ کرتے ہیں اور موتیوں کی چمک دمک دیکھ کر نشاط کی بارش ہونے لگتی ہے۔ شخصیتوں کے ادب کی شعاعوں سے دکنی کے ادب کی شعاعیں ہر جگہ آنکھیں ملا کر باتیں کرتی ہیں۔ ۲۵ رقسموں کے گلابوں کی خوبیوں، تازگیوں، لطافتوں، نزاکتوں، پاکیزگیوں، داخلیتوں، خارجیتوں، رمزیتوں، تشبیہات واستعارات وکنایات کی پہچان کرانا مشکل نہیں تو آسان بھی نہیں ہے، وہ ادب کے ساتھ، بہترین جملہ والفاظ کے ہمراہ، اچھے طریقے سے سچائیوں کا دامن تھام کر، ادب کے راستے پر چل کر، جناب کا بہترین کارنامہ ہے۔

''جزیرے،، کی ادبی حیثیت مسلم ہے، مستقبل میں یہ تاریخ کے باب بھی وا کریں گے، بجھتی ہوئی لوؤں اور گھٹتی ہوئی شعاعوں کو بڑھائیں گے، ادب نوازوں، دانشوروں، مفکروں،، طالب علموں محققوں اور اساتذہ کو یہ کتاب مصنف سے حاصل کر لینا چاہئے، لائبریریوں اور کتب خانوں کو خرید لینی چاہئے، کتاب کی ترتیب شخصیتوں کے پیش نظر نہیں کی گئی ہے، بلکہ حروف ابجد کے حساب سے یا یوں کہئے کہ تہجی کا اعتبار کر کے سب کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے۔

سبھی کی ہوتی نہیں ہے رسائی منزل تک

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭